عورت محور تربیت

از: استاد محترم
سید جواد نقوی



بسم الله الرحمن الرحيم

مشخصات کتاب

نام کتاب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔عورت محورِ تربیت

تالیف۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔استادِ بزرگوار سید جواد نقوی

ناشر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اسلامک ایجوکیشن سینٹر

اشاعت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جنوری 2019 (بمناسبت جمادی الثانی 1440)

تعداد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔2000

کتاب حاصل کرنے کے لیے

محمد علی بُک ڈپو

زہرا گارڈن، شاپ نمبر 2، بریٹو روڈ، نزد محفل شاہِ خراسان، بالمقابل فاطمیہ کالج،

سولجر بازار نمبر ۳، کراچی فون: 021-32242991,0300-2985928

نمائندگان سے رابطہ کیلئے

لاہور	03002796804
کراچی	03002977338
اسلام آباد	03317202774
پاراچنار	03028055216

عورت
محورِ تربیت

عرض ناشر

خداوند تبارک وتعالیٰ نے انسان کو جسمانی اور روحانی ضروریات کے ساتھ خلق فرمایا ہے اوران کی تکمیل کے ذرائع بھی کائنات میں رکھے ہیں۔ جسمانی تقاضے اور ضروریات پوری کرنے کیلئے زمین کو وسائل سے مالا مال کیا ہے، انسان کو تسخیر جہاں کی دعوت دی ہے اور اسے عقل کی دولت عطا کی ہے تاکہ اپنی زندگی بہتر بنا سکے۔

جہاں ابنِ آدم کو زندہ رہنے کیلئے آکسیجن، خوراک، پانی، محفوظ پناہ گاہ اور موسم کی شدت سے بچنے کیلئے لباس کی ضرورت ہے وہیں اسے انسان بننے کیلئے ہدایت اور تربیت کی ضرورت بھی ہے اور رب العالمین نے انسان کی اس ضرورت کو پورا کرنے کا بھی مکمل انتظام فرمایا ہے۔

خداوندِ قدوس نے کسی بھی لمحے انسان کو ہدایت کے بغیر نہیں چھوڑا اور ہر موڑ پر انبیا کرامؑ، کتبِ آسمانی اور اولیاء عظام کے ذریعے انسان کی تربیت کا بندوبست کیا ہے۔

تربیت کے بغیر انسان اپنے مقصدِ خلقت تک نہیں پہنچ سکتا اور اس کی روحانی نشوونما نہیں ہو سکتی۔ انسان مرد ہو یا عورت، دونوں محتاجِ تربیت وہدایت ہیں تاکہ مقامِ انسانیت و مقامِ خلافتِ الٰہی پر فائز ہو

سکے۔ تربیت اس عمل کو کہتے ہیں جس کے ذریعے انسان کی خداداد صلاحیتیں آشکار ہوتی ہیں اور ان کو پنپنے اور نشوونما کا موقع ملتا ہے۔ تربیت سے متعلق بہت سی غلط فہمیاں عام ہیں اور بہت سی چیزیں تربیت کی جانشین بن چکی ہیں، جو دراصل تربیت نہیں بلکہ کرتب ہیں۔

علمائے اخلاق اور ماہرینِ تربیت کے مطابق انسان کی تربیت ایسے ہی ہے جیسے ایک مالی پودے کی پرورش کرتا ہے۔ سب سے پہلے بیج کاشت کرتا ہے، اس کو پانی دیتا ہے، جب کونپل پھوٹتی ہے تو اسے اندرونی اور بیرونی آفات سے بچاتا ہے، اسے حشرات اور حیوانات سے بچاتا ہے، اس کے لئے دھوپ اور ہوا کی رسائی ممکن بناتا ہے تاکہ پودا اپنی خوراک بنا سکے اور اس تمام دیکھ بھال کے بعد ایک معمولی بیج ایک قد آور اور تنومند درخت بن جاتا ہے جو ہر قسم کے موسم، آندھی اور طوفان کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ مالی نے اس پورے عمل میں کوئی بیرونی چیز اس پودے میں متعارف نہیں کی بلکہ پودے میں خود سے جو درخت بننے کی صلاحیت تھی اسے نہ صرف ضائع ہونے سے بچایا بلکہ اس کی بھرپور مدد کی۔ یہی کام ایک مربی انسان کے ساتھ کرتا ہے اور انسان کی مخفی و پوشیدہ صلاحیتوں کو باہر لاتا ہے اور انہیں نکھارتا ہے، انسان کی روح کو اظہار کا موقع دیتا ہے اور اس کی صلاحیتوں کو پرورش کا میدان دیتا ہے۔

انسان کی تربیت ایک منظم اور دقیق منصوبہ بندی اور شعور کی متقاضی ہے تاکہ اس کی صلاحیتیں، توانائی اور قابلیت ضائع نہ ہو جائے۔

تربیت کا بہترین زمانہ بچپن کا ہے جب انسان سیکھنے کیلئے سب سے زیادہ آمادہ اور تیار ہوتا ہے۔ آج کے بچے ہی کل کے مستقبل ہیں اور کل معاشرے کی زمامِ کار انہی کے ہاتھ میں ہو گی۔ ہم اپنا مستقبل اپنے ہاتھوں سے تربیت کر سکتے ہیں۔

یہ کہنا بھی بجا ہو گا کہ معاشرے کا مستقبل عورت یا ماں کی گود میں تربیت پاتا ہے۔ یہ عورت ہے جو ہمارا کل آج اپنی گود میں سنوار سکتی ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ خود عورت کو تربیت کا مفہوم اور اس کے اصولوں کا علم ہو۔ علامہ اقبال نے یونہی نہیں فرمایا تھا کہ

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں

عورت جیسا رنگ چاہے اس کائنات میں بھر سکتی ہے اور مستقبل تشکیل دے سکتی ہے۔ عورت کو خداوندِ قدوس نے وہ فطرت اور صلاحیت دی ہے جو انسان کی تربیت کے لئے موزوں ترین ہے لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ شیاطین تہذیب، عورت سے اس کا جوہرِ انسانی سلب نہ کر دیں اور اسے ایک جنسِ بے قیمت میں نہ بدل دیں۔ اس سے بچاؤ کیلئے ہی اسلام نے ایک منظم و جامع تربیتی نظام دیا ہے۔ جو بدقسمتی سے تربیت کے رسوماتی اور کلچرل معانی کے نیچے دب گیا ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں اسلام کے انسانی و حقیقی مفہومِ تربیت پر پڑی رسوماتی و ثقافتی گرد و غبار جھاڑنے کی ایک کوشش کی گئی ہے۔

امید کرتے ہیں کہ یہ ادنیٰ سی کوشش بار آور ثابت ہو گی۔

قارئین کرام کتاب سے متعلق ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی فرماتے ہوئے ہمیں اپنی قیمتی آراء سے مستفید فرمائیں گے۔

انشاءاللہ

ادارہ

أَفَمَن يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَن يُتَّبَعَ أَمَّن لَّا يَهِدِّي إِلَّا أَن يُهْدَىٰ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ

سورہِ یوسف: آیت03

خطبہِ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا

حضرت سیدہ زہرا سلام اللہ علیہا نے اپنے اس معروف خطبے میں جو اُس وقت کے حکمرانوں کے مقابلے میں اپنے والد گرامی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی رحلت کے بعد دیا اور اس آیت کو ان لوگوں کے سامنے بھی پیش کیا۔ آیت کے معنی یہ ہیں کہ

آیا جو ہدایت یافتہ ہیں وہ زیادہ حق رکھتا ہے دوسروں کو ہدایت کرنے کا یا وہ ہدایت کرنے کا زیادہ حق رکھتا ہے جو خود محتاجِ ہدایت ہو۔

یعنی جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سوال کر رہی ہے کہ تم لوگ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد قوم کے حاکم اور اپنے آپ کو ولی سمجھتے ہو، آیا تم ہدایت یافتہ ہو؟ علماء کے بقول کہ اس طرح قرآن سے استدلال کرنا اور قرآن کے ذریعے ان پر ثابت کرنا کہ جو کچھ انہوں نے

کیا تھا وہ درست نہیں ہے، یہ سب سے پہلے حضرت سیدہ سلام اللہ علیھا نے اس خطبے میں بیان فرمایا ہے اور وہ یہ قانون ہے جو خداوند تبارک و تعالیٰ نے قرآن میں ذکر کیا ہے اور جناب زہرا نے اس قانون کو ان کے سامنے بیان کیا ہے، چونکہ حاکم صرف اس کو نہیں کہتے ہیں جو اقتدار پر قبضہ جما لے اور حکومتی وسائل سے استفادہ کرے اور خود لوگوں کا مخدوم بن جائے بلکہ حاکم کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ رعیت کو، عوام کو، لوگوں کو ہدایت کے مواقع فراہم کرے، ان کے لئے ہدایت کا انتظام کرے، تعلیم کا انتظام کرے اور ان کی تربیت کا انتظام کرے۔

اسلامی حکومت کا تصور یہ ہے کہ حاکم انسانوں کی تربیت کا اور انسانوں کی ہدایت کا ذمہ دار ہو۔ یعنی حاکم اس شخص کو ہونا چاہیے جو لوگوں کی ہدایت کر سکے، تربیت کر سکے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ان کو سعادت مند بنا سکے۔ یہ حاکم کی شرائط میں سے سب پہلی شرط ہے۔ اسی لئے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے کہا کہ آپ جو منصب حکومت پر آ بیٹھے ہو، میں آپ سے قرآن کی آیت کے ذریعے سے یہ سوال کرتی ہوں کہ آیا آپ محتاج ہدایت ہو یا ہدایت یافتہ؟ اب ان میں سے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ ہم ہدایت یافتہ ہیں، چوں کہ ان میں سے کوئی بھی حالت اسلام میں پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ہدایت کے نتیجے میں اسلام قبول کیا تھا۔ پھر اسلام قبول کرنے کے بعد کچھ

احکام قرآن سے اور کچھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے انھوں نے سیکھے۔ اس لیے یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ ہم ہدایت یافتہ ہیں۔ اگر اپنے آپ کو ہدایت یافتہ کہتے ہو، تو پہلے مشرک کیوں تھے؟ اگر ہدایت یافتہ تھے تو پہلے اسلام سے باہر کیوں تھے؟ اگر ہدایت یافتہ تھے تو پہلے جاہل کیوں تھے؟ کیونکہ ہدایت یافتہ تو جاہل نہیں ہو سکتا۔

پس حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ حکومت وہ کر سکتا ہے جو خدا کی طرف سے ہدایت یافتہ ہو اور آپ محتاج ہدایت ہو۔ آپ وہ ہو کہ کوئی آکر آپ کی ہدایت کرے۔ حضرت سیدہ نے یہ صرف مثال دی ہے، مگر اس آیت مبارکہ کے ذریعے سے ایک قانون کلی بیان کیا ہے۔ اور وہ قانون یہ ہے کہ تربیت اور ہدایت وہی کر سکتا ہے جو پہلے سے ہدایت یافتہ ہو۔ اب معصوم ہستیاں تو خدا کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں، خدا نے انھیں ہدایت فرمائی ہے اور اب ان کا فریضہ ہے کہ وہ دوسرے معمولی انسانوں کو یعنی ہم جیسے لوگوں کو ہدایت کریں۔

تربیت کے لئے خدا کا نظام

ایک نظام خداوند تبارک و تعالی نے خود معمولی انسانوں کے درمیان قائم کیا ہے۔ یعنی ہم لوگ جو پیدائشی طور پر ہدایت یافتہ نہیں ہوتے ہیں، ہمارے لئے قانون مقرر کیا ہے کہ ہم پہلے خود ہدایت پائیں،

تربیت حاصل کریں اور پھر دوسروں کی تربیت کریں۔ یہ ہم سب تسلیم کرتے ہیں۔ ہم میں سے شاید کوئی ایسا ہو جس کو یہ بات سمجھ نہ آئی ہو کہ انسان دوسرے کو وہی کچھ دے سکتا ہے جو اس کے پاس ہو اور جو ہمارے پاس نہ ہو وہ ہم کسی دوسرے کو دینے کے قابل بھی نہیں ہوتے۔ مثلاً اگر میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے، پانچ روپے بھی نہیں ہے، تو میں کسی کو سو روپیہ دینے کے قابل نہیں ہوں، میں اس صورت میں قابل ہوں گا جب میرے پاس دینے کے لیے کچھ ہو گا۔اس طرح تربیت و ہدایت بھی ہے۔ ہدایت بھی وہ ہی کر سکتا ہے، تربیت بھی اسی سے ممکن ہے کہ جس کے پاس خود تربیت اور ہدایت موجود ہو۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ تربیت کرنے سے پہلے تربیت پانا و تربیت لینا ضروری ہے۔ کیونکہ ہم پیدائشی طور پر تربیت یافتہ نہیں ہیں، اس لیے ہمیں سب سے پہلے تربیت حاصل کرنی ہے۔

خاندان مرکز تربیت

ہماری تربیت کے لئے خدانے بہترین انتظام کیا ہے۔انبیاءؑ مقرر فرمائے ہیں، معصومینؑ مبعوث فرمائے ہیں، آسمانی کتب نازل کی ہیں،اولیاء اللہ مقرر کیے ہیں اور کائنات کا وسیع انتظام ہمارے لیے بنایا ہے جن کو بیان کرنا اس مختصر کتاب میں نا کافی ہے۔ایک اہتمام ان میں

سے خاندان بھی ہے۔

خاندان در حقیقت ایک ادارہ ہے جو بہت ہی مقدس ہے۔ اسلام کی نگاہ میں خاندان کا تقدس اتنا ہی ہے جتنا مسجدوں کا، جتنا ایک امام بارگاہ کا، جتنا خانہ کعبہ کا تقدس ہے۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ خاندان تشکیل دیں۔ اس وجہ سے تربیت کے لئے بہت سارے انتظامات جو اللہ تعالی نے مقرر فرمائے ہیں ان میں سے ایک اہم ترین انتظام خاندان تشکیل دینا ہے۔ انسان کی پیدائش کے بعد تربیت یہاں سے شروع ہوتی ہے۔ البتہ معصومین علیہ السلام سے روایت میں یہاں تک بیان کیا گیا ہے کہ انسان کی تربیت ،انسان کی پیدائش سے پہلے ہی شروع ہو جاتی ہے جب انسان وجود میں بھی نہیں آیا ہوتا۔ اس وقت تربیت کہاں سے شروع ہوتی ہے؟ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ والدین جن سے یہ انسان متولد ہوگا، پیدا ہوگا، وہ اگر غیر تربیت یافتہ ہوئے تو اس مولود کی بھی تربیت ایسے ہی ہو گی۔ کیونکہ والدین کا اولاد پر اثر پڑتا ہے۔ اگر وہ تربیت یافتہ ہوئے، ان میں کوئی خصوصیت یا خوبی ہوئی تو وہ بچے میں منتقل ہو جائے گی۔ اچھی خصوصیات ہوں گی تو وہی اچھی خصوصیات بچے میں منتقل ہو جائیں گی۔ اگر خدانخواستہ بعض والدین میں کوئی بری خصلت ہے تو وہ بھی بچے میں منتقل ہو جاتی ہے۔

پیدائش سے پہلے انسان کی تربیت

جس طرح آپ نے دیکھا پیدائش میں رنگ، شکل اور بہت ساری چیزیں والدین کی بچوں میں منتقل ہو جاتی ہے بسا اوقات بچہ ماں سے بہت مشابہ ہوتا ہے تو بسا اوقات بچہ والد سے مشابہ ہوتا ہے اور بسا اوقات اپنے والدہ کے خاندان سے مشابہ ہوتا ہے اور بسا اوقات شکل و شباہت کے لحاظ سے اپنے والد کے خاندان سے کہ جن کو ہم اپنے عام بول چال میں دادا کہتے ہیں۔ بچہ مشابہ ہوتا ہے یوں نہیں ہے کہ بچہ صرف شکل و شمائل اور رنگ و نقش و نگار میں اپنے نانکے یا دادکے سے مشابہ ہوتا ہے اور ملتا جلتا ہے بلکہ اپنی باطنی صفات کہ جو صفات حسنہ یا صفات قبیح کہلاتی ہیں، ان میں بھی درحقیقت یہ چیزیں منتقل ہوتی ہیں اس وجہ سے اولاد کی تربیت درحقیقت ان کی پیدائش سے پہلے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ پیدائشی طور پر اولاد یہ وراثت اپنے دونوں خاندانوں سے لے کر پیدا ہوتی ہے۔ یعنی یہ چیزیں منتقل ہوتی ہیں۔ اس وجہ سے اولاد کی تربیت درحقیقت ان کی پیدائش سے پہلے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ لہذا خاندان تشکیل دینے کے لئے کچھ شرائط لازمی ہیں۔ لیکن آج کل وہ شرائط ہم نے خود سے بنالی ہیں، ہم کلچرل لوگ ہیں ، ہم دین کے تحت زندگی بسر نہیں کرتے بلکہ کلچر کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس لئے مشکلات بھی ہماری زندگی میں زیادہ ہیں۔ یعنی کلچر کے ساتھ ساتھ دین بھی رکھنا چاہتے ہیں، جنت بھی جانا چاہتے ہیں اور اپنی

تہذیب، ثقافت و کلچر بھی باقی رکھنا چاہتے ہیں۔

ہماری ساری مشکلات اسی وجہ سے ہیں کہ ہم کلچر کی گلیوں سے ہو کر جنت تک جانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ گلیاں اصلاً جنت کی طرف نہیں جاتی ہیں۔

کلچر سے مراد یعنی ہمارے اپنے بنائے ہوئے آداب و رسوم، ہماری اپنی بنائی ہوئی زندگی کے طور طریقے۔ اور ان میں بہت ساری چیزیں ہیں جن کا ہم عموماً خاندان تشکیل دیتے ہوئے خیال رکھتے ہیں۔ مثلاً پہلے دیکھتے ہیں کہ کون سی قوم ہے؟ یہ فرد ہماری قوم میں سے ہے یا نہیں ہے؟ پھر یہ دیکھتے ہیں کہ اس قوم کے اس خاندان کے پاس پیسے ہیں یا نہیں ہیں؟ پھر یہ دیکھتے ہیں کہ لڑکی یا لڑکا جنہوں نے خاندان تشکیل دینا ہے ان کی مالی حالت کیا ہے؟ ان کے پاس وسائل کیا ہیں؟ یہ عادات و رسوم ہمارے اپنے بنائے ہوئے ہیں کہ جن سے خاندان تشکیل دینے کا تصور ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کلچرل ماحول میں کلچرل بچے ہی پیدا ہوتے ہیں اور وہ اسی راہ اور اسی ڈگر پر چلتے ہیں اور اسی طرح یہ سلسلہ آگے بڑھتا ہے۔ اس وقت دنیا میں کہیں بھی چلے جائیں مثلاً یورپی ممالک میں آپ جائیں، خاندان کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ یعنی باقاعدہ ایک خاندان نہیں ہوتا کہ جس میں بچہ پلتا ہو، پیدا ہوتا ہو، پھر اس میں تربیت پاتا ہو یا بڑا ہوتا ہو۔ وہاں بھی ایک کلچر ہے۔ اسی کلچر کے تحت بچے

پیدا ہوتے ہیں اور اس کے بعد پھر کس طرح سے پلتے اور بڑھتے ہیں وہ ایک الگ ماحول ہے۔ لیکن خدا نہ کرے کہ وہ کلچر ہمارے ہاں بھی شروع ہو جائے۔ اگر ہم دینی تعلیمات میں دِقّت کریں تو چونکہ خاندان کی تشکیل کا حکم خداوند تبارک وتعالیٰ نے دیا ہے، اس خاندان کو تشکیل دینے کے لیے جو تربیت کا پہلا مدرسہ ہے اس کی بہت ساری شرائط ہیں اور جو چیزیں اسلام نے مقرر کی ہیں، دین نے مقرر کی ہیں وہ آپ سب سے پہلے نظر میں رکھیں۔ بس بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اس کی تربیت کا آغاز ہو جاتا ہے۔ پہلے وہ لوگ جن کی گود میں، آغوش میں یہ بچہ پیدا ہوتا ہے، ان کو تربیت یافتہ ہونا چاہئے، ان کو ہدایت یافتہ ہونا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ یہ پیدائشی طور پر تو ہدایت یافتہ نہیں ہیں انہیں خود سے کوشش کرکے تربیت پانی چاہیے۔ تاکہ ان کی آغوش میں جو انسان آئے گا وہ بھی ان کے ہاتھوں سے اور ان کی گود میں تربیت پا کر ایک انسان بن سکے۔ پس پہلے والدین کا، ماں باپ کا تربیت یافتہ ہونا بہت ضروری ہے۔

خواتین کا مقام از نظر دین

خواتین خاندان کے لئے مرکز و اساس ہے۔ حدیث سب نے سنی ہوئی ہے اور ہر گھر میں والدین خصوصات سے یہ حدیث بچوں کو سناتے ہیں کہ

الجنۃ تحت اقدام الامہات

جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

ماں کو کوئی حدیث یاد ہو یا نہ ہو یہ حدیث ضرور یاد ہوتی ہے کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔اور پھر ماں اپنے قدم اٹھاتی بھی نہیں ہے کہ جنت بچے کو مل جائے۔ اس حدیث سے عام طور پر جو معنی لیا جاتا ہے اور جو ہمارے ذہنوں میں ہے ،وہ یہ ہے کہ چونکہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے، بس ماں کی خدمت کرو۔ ماں کی خدمت کروگے تو ہی جنت میں پہنچو گے اور تمہیں زیادہ جنت ملے گی۔ یہ درست معنیٰ ہے کہ ماں کا جو مقام قرآن مجید اور دین نے جو ذکر کیا ہے وہ احترام کے لحاظ سے باپ سے بھی زیادہ ہے اور حقوق کے لحاظ سے بھی زیادہ ہے۔

ایک شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے پوچھا کہ اگر مجھے ماں بھی بلائے اور باپ بھی بلائے۔ مثلاً ایک کام ماں کا ہے اور ایک کام باپ کا ہے ،دونوں مجھ سے ناراض بھی نہیں ہیں۔ دونوں نے مجھے بلایا تو میں کس کے پاس جاؤں؟ حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ماں کے پاس۔ پھر اس نے دوبارہ پوچھا کہ مجھے اگر دونوں بلائیں تو میں کس کے پاس جاؤں؟ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پھر فرمایا ماں کے پاس۔

اسی طرح ایک شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں ایک بہترین عمل کرنا چاہتا ہوں ،سب سے بہترین عمل

صالح کرنا چاہتا ہوں وہ کیا ہے ؟رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ماں کی خدمت کرو۔اس نے پوچھا اس سے بھی اچھا عمل ؟فرمایا ماں کی خدمت کرو۔ کہاں ماں کی خدمت سے بھی بڑا عمل ؟ پھر فرمایا ماں کی خدمت کرو۔ اسقدر عظیم ہے ماں کا مقام ۔ کیوں اتنی عظمت پروردگار نے ماں کو دی ہے ؟ کسی کو بھی کوئی مقام مفت میں نہیں ملتا بلکہ کسی چیز کے بدلے میں یہ مقام دیا جاتا ہے ۔ کہ جو کچھ ماں کرتی ہے یا ماں کو کرنا ہے اسکی وجہ سے یہ مقام ملا ہے ۔یہی وجہ ہے کہ جنت باپ کے قدموں کے نیچے نہیں ہے ۔اب ہم نے صرف یہ سمجھ لیا کہ ماں کی خدمت کرو، ماں کا احترام کرو۔ ماں کے حقوق بجالاؤ تا کہ جنت میں جا سکو۔ ماؤں نے بھی بچوں کی کمزوری سمجھ کر کہ جنت ہمارے قدموں کے نیچے ہے، لہٰذا آسانی سے بچوں کو جنت میں جانے نہیں دیتی ہیں ۔ بعض مائیں اپنی اولاد کی درست اسلامی تربیت نہیں کرتیں کہ ہماری اولاد جنت میں جائے ۔

جنت و جہنم ماں کے اختیار میں

حدیث کا معنی درست کیا گیا ہے جو ہمارے ذہنوں میں موجود ہے کہ جنت ماں کے قدموں تلے ہیں ۔ لیکن اس حدیث کا ایک اور معنی بھی ہے اور وہ تربیتی معنی ہے ۔ حدیث کا تربیتی معنیٰ ہم ایک مثال کے ذریعے سمجھ سکتے ہیں ۔ فرض کرلیں کسی کو کوئی کام پڑ گیا اور وہ کام میں کروا

سکتا ہوں۔ مثلاً کسی کو کسی اسکول میں داخلہ لینا ہے اور اس اسکول میں میری آشنائی ہے اور میں یہ داخلہ کروا سکتا ہوں۔ وہ آدمی اظہار کرتا ہے کہ مجھے فلاں جگہ داخلہ لینا ہے۔ اور میں یہ کہتا ہوں کہ آپ کا داخلہ لینا میرے اختیار میں ہے، میری مٹھی میں ہے۔ یا کسی کو ملازمت چاہیے اور اس ادارے میں میری جان پہچان ہے۔ میں اسے یہ کہتا ہوں کہ آپ کی ملازمت، آپ کا بھرتی ہونا میری مٹھی میں ہے۔ یا کوئی آدمی کوئی ویزہ لینا چاہتا ہے اور وہاں پر میری آشنائی ہے۔ میں اسے یہ کہتا ہوں کہ یہ ویزا میری مٹھی میں ہے۔ اس طرح کی باتیں ہم عام بول چال میں استعمال کرتے ہیں کہ یہ میرے اختیار میں ہے۔ اگر میں چاہوں تو آپ کو یہ چیز دلوا سکتا ہوں۔ اس طرح یہ تعبیر بھی کی گئی ہے کہ

الجنۃ تحت اقدام الامہات

جنت ماؤں کی مٹھی میں ہے۔

یعنی یہ کہ اگر ماں چاہے تو اولاد کو جنت دے سکتی ہے۔ کس طرح دے سکتی ہے؟ اگر وہ چاہے تو ان بچوں کو اچھی تربیت کر سکتی ہے۔ تو یوں نہیں کہ جنت فقط ماں کی مٹھی میں ہے بلکہ جہنم بھی ماں کی مٹھی میں ہے یعنی دونوں ماں کی مٹھی میں ہیں۔ ماں چاہے تو اپنی اولاد کو جنتی بنا سکتی ہے اور چاہے تو اپنی اولاد کو جہنمی بھی بنا سکتی ہے۔ پس نہ صرف اولاد کی دنیاوی زندگی ماں کے اختیار میں ہے بلکہ اولاد کی آخرت و عاقبت بھی

ماں کے اختیار میں ہے۔

شریک حیات

سیرت حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا میں نقل کیا جاتا ہے کہ جب امیر المومنین علیہ السلام کی اور حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی ازدواج ہوا تویوں نہ تھا کہ مثلاً امیر المومنین علیہ السلام کے ذہن میں یہ تھا کہ ایک خاتون گھر میں لاؤ جو آکر فقط گھر کے کام کاج کرے۔ خاندان تشکیل دینے کے لیے جو بہترین الفاظ استعمال ہوتے ہیں وہ شریک حیات ہے، یعنی دو آدمیوں کو مل کر ایک زندگی کا آغاز کرنا ہے نہ کہ دو الگ الگ زندگیاں۔ شریک زندگی کا مطلب دو پارٹنر ہیں۔ جس طرح دو پارٹنر ایک دُکان شروع کرتے ہیں، تو ایک دُکان ہوتی ہے اس کے دو حصے دار ہوتے ہیں، دو پارٹنر ہوتے ہیں، نہ یہ کہ پارٹنر اسے کہتے ہیں کہ دو آدمی مل کر دو دُکانیں بنالیں، وہ تو پارٹنر نہیں ہیں۔ اس کی اپنی دُکان ہے میری اپنی دُکان ہے۔ پارٹنر اس کو کہتے ہیں کہ دونوں مل کر ایک کام کریں، ایک دُکان بنائیں، ایک فیکٹری لگائیں، ایک کام شروع کریں۔ شریک زندگی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان دونوں نے ایک زندگی بنائی ہے، ایک عمارت بنائی ہے، جس کے دو ستون ہیں، ایک خاتون ہے اور ایک مرد۔ ان دونوں نے ایک خاندان کی بنیاد رکھی ہے، یہ دونوں ایک

دوسرے کے ساتھ شریک ہیں۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جب حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کا ہاتھ امیر المومنین علیہ السلام کے ہاتھ میں تھمایا تو وہ خطبہ عقد جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پڑھا اس خطبہ عقد میں زندگی کے وہ سارے اصول بھی بیان کئے جو در حقیقت اس شادی کا یا اس ازدواج کا مقصد ہے، جو آپ دونوں مل کر تشکیل دے رہے ہو۔ اس زندگی کا پھر آپ نے اثر دیکھا کہ معصوم آئمہ ھدیٰ علیھم السلام، اہلبیت اطہارؑ، یہ تمام اس شادی کے نتیجہ سے نکلتے ہیں ورنہ اگر امیر المؤمنین علیہ السلام کو فقط یہ ہوتا کہ ایک عورت ہو جو میرے گھر کے کام کاج کرتی رہے یا میرے والدین کی خدمت کرتی رہے، اس سے ایک زندگی تشکیل نہیں پاتی۔ یعنی ایک خادم اور مخدوم مل کر ایک زندگی تشکیل نہیں دے سکتے۔ ہمارے ہاں کلچر یہ ہے کہ ہم مخدوم بننے کی کوشش زیادہ کرتے ہیں۔ بعض تو خاندان مشہور ہوگئے ہیں مخدوم، مخدوم زادہ، مخدوم سائل کے نام سے۔ مخدوم یعنی جن کے لوگ خادم ہیں۔ یعنی باقی سب خادم ہیں یہ ان کے مخدوم ہیں۔ مخدوم جس کی خدمت کی جائے اور خادم جو خدمت کرے۔ ہم سب کو شوق ہوتا ہے کہ ہم مخدوم بنیں۔ یعنی کوئی ہو جو آ کر ہماری خدمت کرتا رہے۔ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا اسقدر بلند و عظیم مقام ہونے کے باوجود بھی گھر کا کام خود کرتی تھیں، مخدوم بننے کی کوشش نہیں کی اور یوں نہیں کہ خادمہ بھی بن

گئی تھیں۔ گھریلو ذمہ داریاں یہ خود انجام دیتی تھیں یعنی ایک بہترین زندگی تشکیل دی ہے۔ زندگی کا ایک حصہ مرد کے سپرد ہوتا ہے اور ایک حصہ عورت کے دوش پر ہوتا ہے بلکہ اگر یوں کہاں جائے تو غلط نہ ہو گا کہ در حقیقت زندگی کا اہم حصہ خاتون کے کندھے پر ہوتا ہے لہٰذا زندگی بنانا بھی اس کا کام ہے اور اگر خدانخواستہ زندگی بگڑ جائے تو وہ بھی اس کے ہاتھ میں ہے۔

خواتین میں تربیت کا فطری رجحان

اگر آپ کے خاندان کے اندر تربیت ہونی ہے تو وہ خاتون کی گود سے ہو گی، خاتون ہی کے ہاتھوں سے ہو گی نہ کہ مرد کے ذریعہ سے۔ یہ کام بھی خداوند تعالیٰ نے خاتون ہی کو سونپا ہے اور ان کی خلقت بھی اللہ نے اس طرح سے انجام دی ہے کہ وہ تربیت کے ہی کام کر سکتی ہیں، باقی کام ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ جو کام ان سے ہو سکتا ہے اور بخوبی ہو سکتا ہے وہ تربیت ہے، باقی کام ان کو زور لگا کر سیکھنے پڑتے ہیں اور کرنے پڑتے ہیں لیکن جو کام بغیر مشقت کے آسانی سے کر لیتی ہیں وہ تربیت ہے۔ جس کے لیے انھیں کسی ٹریننگ کی بھی ضرورت نہیں ہوتی ہے بلکہ خود سے ایک رجحان خدا نے خواتین کے اندر ڈالا ہوتا ہے کہ ابھی وہ مربّیہ نہیں بنی ہوتی، مگر پہلے سے ہی یہ کام شروع کر دیتی ہیں۔ مثلاً آپ چھوٹے چھوٹے بچوں کو دیکھیں آجکل الیکٹرانک زمانہ ہے،

بچوں کے کھیل بھی تبدیل ہو گئے ہیں۔ کمپیوٹر پر کھیلتے ہیں اور اس طرح کی مختلف چیزیں ہیں۔ لیکن ابھی بھی جن خاندانوں میں سابقہ ماحول ہے وہاں پر آپ دیکھیں بچوں کے کھلونے الگ ہوتے ہیں،، مثلاً لڑکے غلیلوں سے کھیلتے ہیں، بنٹے کھیلتے ہیں لیکن لڑکیاں گڑیا سے کھیلتی ہیں۔ یہ کون بتاتا ہے بچی کو کہ گڑیا سے کھیلنا ہے؟ کسی نے اسکو کہا کہ آپ بیٹی ہو اور بیٹیاں گڑیاسے کھیلتی ہیں ، لہٰذا میں آپ کو گڑیا لا کر دوں گی اس کے بعد گڑیاسے کھیلا کرو۔ نہیں، ماں باپ نہیں کہتے بلکہ خود یہ بچی کہتی ہے کہ میرے لیے گڑیالے کر آؤ۔ بازار میں جاتی ہے بھائی کچھ انتخاب کرتا ہے اور بہن کچھ اور انتخاب کرتی ہے۔ کیوں کرتی ہے؟ کبھی اس بات پر غور کیاہے؟ اور اگر گڑیا بازار سے نہیں ملتی تو خود بنالیتی ہے یاماں باپ اس کو بنا کر دے دیتے ہیں، جس کو کچھ نہیں ملتا تو کوئی گھر کا برتن اٹھا کر اس کے اوپر کپڑا لپیٹ کر اس کو گڑیا بنا لیتی ہے۔ ان کاموں پر غور کرے کہ یہ چھوٹی بچی کیوں گڑیاسے کھیلتی ہے؟ چوں کہ پیدائشی طور پر خداوند نے اس کے اندر یہ رجحان رکھاہے۔

بچیوں کی ریہرسل

بچی گڑیا کو جب کھلا رہی ہوتی ہے تو غور کریں اس وقت یہ چھوٹی سی بچی نہیں ہوتی۔ اسی تصور میں گڑیا کو نہلاتی بھی ہے، مثلاً اس

کے سر پر خالی برتن سے پانی ڈالتی ہے، صابن لگاتی ہے، کنگھا کرتی ہے اور پھر اس کو لٹا دیتی ہے، اور دوسروں کو کہتی ہے کہ چپ ہو جاؤ، شور نہ مچاؤ، یہ سو رہی ہے، ابھی آرام کر رہی ہے، پھر اس کو جگاتی ہے اور اس کو اسکول کے لئے تیار کرتی ہے، یعنی جتنے کام ماں اس کے ساتھ کرتی ہے، وہی سارے کام وہ اپنی گڑیا کے ساتھ بھی کرتی ہے۔ ہماری نظر میں وہ کھیل رہی ہوتی ہے لیکن حقیقت میں وہ کھیل نہیں رہی۔ ہمیں کھیل نظر آتا ہے لیکن در حقیقت وہ ریہرسل کر رہی ہوتی ہے۔ ریہرسل یعنی مشق، وہ کس چیز کی مشق کر رہی ہے؟ اپنے فطری رجحان کی مشق کر رہی ہے، یعنی وہ رجحان جو خدا نے پیدائشی طور پر اس کے اندر رکھا ہے، اس کی مشق کر رہی ہے۔ کوئی اور کام نہیں کرتی، باقی کام بڑی ہو کر سیکھ لیتی ہے اِدھر اُدھر سے، لیکن جب بچپن میں ہوتی ہے، فقط فطری کام کرتی ہے اور اس کی مشق کر رہی ہوتی ہے۔ یعنی اس کا انداز بتاتا ہے کہ مجھے تربیت کرنی ہے، مجھے مربّیہ بننا ہے، مجھے انسان بنانا ہے۔

اب ظاہر ہے اس کو واقعی انسان تو میسر نہیں آتا، کسی شے کو لے کر انسان سمجھ کر اس کی تربیت شروع کرتی ہے، اس کو ڈانٹتی ہے، اس کے ساتھ ناراض ہوتی ہے، اس کے ساتھ خوش ہوتی ہے، یعنی ایسا رابطہ اس گڑیا کے ساتھ برقرار کرتی ہے جیسا ایک حقیقی انسان کے ساتھ اس کا رابطہ ہوتا ہے۔ آپ اس سے دور کھڑے ہو

کر تھوڑی دیر کے لئے تماشہ دیکھیں کہ آپ کی بچی کیا کر رہی ہے، اس لحظے میں اس کو دنیا جہاں کی خبر نہیں ہوتی، حتیٰ بھوکی ہوتی ہے لیکن اس کو اپنی بھوک کا بھی احساس نہیں ہوتا۔ اس کو ماں کھانے کے لیے دستر خوان کے اوپر کھینچ کر لاتی ہے کہ ابھی گڑیا کو چھوڑو، آکر سو جاؤ یعنی وہ اپنا سکون بھی اس کے لئے قربان کرتی ہے، اپنی بھوک بھی اس کے لئے قربان کرتی ہے یعنی اپنی آسائش بھی اس کے لئے قربان کرتی ہے۔ بالکل ایک ماں کی طرح وہ گڑیا کو سمجھا رہی ہوتی ہے، ایک ماں کی طرح وہ گڑیا کے ساتھ پیش آتی ہے۔ آپ اپنی بچی کو دیکھیں کہ وہ اس کو اکیلے میں بیٹھ کر ڈانٹ بھی رہی ہوتی ہے کہ یہ جھوٹی بات ہے۔ تم نے یہ جھوٹ بولا ہے اور جلدی معافی مانگو، فوری ایسا کرو، کہو میں نے غلط کہا ہے۔ اس کو توبہ کرارہی ہوتی ہے۔ یہ بچے ہمارے ہاتھوں اور بڑوں کے ہاتھوں خراب ہو جاتے ہیں، ورنہ خدانے کسی بچے کو اس طرح پیدا نہیں کیا۔ اتنی پاکیزہ بچی کیا کر رہی ہے؟ اس بچی کو دیکھ کر کیا یاد آتا ہے؟ انبیاءؑ بھی ایسے ہی کام کرتے تھے، انسانوں کو آکر توبہ کرواتے تھے کہ تم نے بُری بات کی ہے، جھوٹ بولا ہے، غلط کہا ہے، توبہ کرو، خدا سے معافی مانگو، یہی کام انبیاء نے آکر لوگوں کے ساتھ کیا۔ بس کتنا عظیم کام کر رہی ہے، لیکن مشق ہی ہے۔ ابھی ایک مصنوعی چیز کے ساتھ مشق

کر رہی ہے تا کہ کل جب حقیقی انسان اس کے پاس آئے گا تو اس کے پاس تربیت کرنے کے لئے تجربہ و مہارت ہو، یہی وجہ ہے کہ جب خاتون خانہ صاحب اولاد ہو جائے تو اس کو بتانے کی ضرورت نہیں پڑتی، اس کو ٹریننگ دینے کی ضرورت نہیں پڑتی، اس کو خود پتہ ہوتا ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ اس لئے خاندان کی بنیاد، محافظ اور مدافع در حقیقت خاتون ہی ہے۔

تربیت کا مفہوم

انسان جب پیدا ہوتا ہے تو اسے خداوند تبارک و تعالیٰ کی ذات انسان بنا کر خلق نہیں کرتی بلکہ انسان بننے کے لئے خلق کرتی ہے اور تربیت کے ذریعے ہمیں انسان بنانا ہے۔ لیکن جب تک ہمیں تربیت کا مفہوم معلوم نہیں ہو گا اس وقت تک نہ خود انسان بن سکتے ہیں اور نہ کسی کو انسان بنا سکتے ہیں۔ صرف بچے کو گود میں لینا، اس کے بال کٹوا دینا، اس کا جوتا پالش کر دینا، اس کو کپڑے پہنا دینا، اس کو تیار کر کے اسکول بھیجنا، پھر اس کو کہنا کہ دائیں ہاتھ سے کھانا کھاؤ، پھر اس کو کہنا مسواک کرو، یہ تربیت نہیں ہے۔ بلکہ تربیت اس سے بہت زیادہ گہری بات ہے۔ چونکہ خود انسان بھی ایک بہت گہری ذات ہے۔ پہلے اس تک پہنچیں پھر پتہ چلے گا کہ تربیت کیا ہے؟ یعنی والدین کو معلوم ہونا چاہیے کہ اولاد کو کس طرح تربیت دینا ہے۔ خصوصاً والدہ کو معلوم ہونا چاہیے کیونکہ تربیت

ایک نفیس اور ظریف کام ہے۔

عورت اور تربیت کی ذمہ داری

اللہ تعالی نے تربیت کا کام خواتین کے ذمہ کیوں سونپا ہے؟ خواتین کے وجود میں ایسی کیا خصوصیات ہیں کہ تربیت کا یہ کام خداوند متعال نے مرد کی بجائے عورت کو سونپا ہے۔ مردوں کے مقابلے میں خواتین ظریف اور نفیس کام زیادہ بہتر طریقے سے انجام دے سکتی ہیں۔ اس تحریر میں فی الحال یہی نقطہ گفتگو کا محور ہے کہ ہمیں خداوند تبارک وتعالیٰ نے انسان بننے کے لئے پیدا کیا ہے نہ کہ انسان بنا کر پیدا کیا ہے۔ یہ نقطہ اس اعتبار سے بہت اہمیت کا حامل ہے کہ تربیت کا تمام تر دارومدار اسی نقطے پر ہے۔ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو خداوند متعال اس بچے کو انسان بنا کر پیدا نہیں کرتا بلکہ اسے انسان بننے کے لئے پیدا کرتا ہے۔ لیکن دوسرے موجودات مثلاً جانور اور فرشتے یہ سارے ایسے نہیں ہیں۔ ایک فرشتہ جب خلق ہوتا ہے وہ فرشتہ ہی ہوتا ہے اور جانور جب خلق ہوتا ہے تو وہ جانور ہی خلق ہوتا ہے۔ جب پودا پیدا ہوتا ہے تو وہ پودا ہی پیدا ہوتا ہے۔ ایک پتھر جب خلق ہوتا ہے تو وہ پتھر ہی خلق ہوتا ہے۔ لیکن انسان ان سب سے الگ اور منفرد مخلوق ہے۔ اس کی خلقت کا خداوند تبارک وتعالیٰ نے الگ طرح سے نظام بنایا ہے اور وہ اس طرح سے کہ کچھ ابتدائی خلقت خداوند متعال نے کر دی ہے۔ لیکن اس بنیاد کو آگے

تعمیر کرنا ہے۔اس کے اوپر عمارت خود بنانی ہے۔ یہ انسان کے اپنے اختیار میں دے دیا ہے۔ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو وہ اس قابل ہوتا ہے کہ انسان بن جائے گا۔ کیونکہ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو اس وقت اس کا ایک انسانی چہرہ ہوتا ہے، ایک انسانی بدن ہوتا ہے، ایک انسانی جسم ہوتا ہے اور ایک انسانی کھال ہوتی ہے۔لیکن اس انسانی کھال کے اندر انسانیت خود انسان کو تربیت کے ذریعے ایجاد کرنی ہے۔

صلہ رحم و قطع رحم

تربیت و انسان سازی کے لیے سب سے پہلا مرکز تربیت خاندان ہے۔ درحقیقت خاندان کی اہم ترین ذمہ داری خواتین کے سپرد ہے۔ مرد بھی خاندان میں برابر کا شریک ہے لیکن تربیتی ذمہ داری میں زیادہ حصہ خواتین کا ہے۔ اس لیے خداوند تعالیٰ نے خاندان کے متعلق مرکزیت خواتین کو قرار دیا ہے جبکہ مرد خاندان کا محافظ ہے۔مرد خاندان کے لیے مالی وسائل فراہم کرے، اس کے لیے دوسرے امکانات فراہم کرے۔لیکن خاندان کا اندرونی نظام، داخلی نظام درحقیقت خواتین کا کام ہے۔ خاندان کی تشکیل بھی درحقیقت خواتین کے محور میں ہوتی ہے مثلاً جب رشتہ داروں کا قرآن نے نام لیا تو ان کے بارے میں کہا گیا کہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔اوراس کے برعکس ایک اوراصطلاح ہے قطع رحم کرنا، صلہ رحم اور قطع رحم سے کیا مراد ہے؟ صلہ رحمی یعنی

اقرباء کے ساتھ، عزیزوں کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات باقی رکھنا، ان کے حقوق ادا کرنا جبکہ قطع رحمی یہ ہے کہ رشتہ داروں سے رابطہ کاٹ دینا۔ اگر انسان قطع رحمی کرے یعنی عزیزوں، رشتہ داروں سے رابطے کاٹ دے تو اس سے انسان کی عمر کم ہو جاتی ہے۔ قطع رحمی کرنے سے پہلا اثر جو انسان کی زندگی پر پڑتا ہے وہ یہ کہ انسان کی عمر کم ہو جاتی ہے، جلدی مر جاتا ہے، اس کو توفیق زندگی نہیں ہوتی جبکہ صلہ رحمی کرنے سے انسان کی عمر دراز ہو جاتی ہے۔ یعنی جتنا آپ رشتہ داروں سے رابطہ بڑھائیں گے اور جتنا ان کے حقوق ادا کریں گے، ان کے ساتھ ارتباط رکھیں گے اتنی آپ کی عمر اور زیادہ دراز ہو گی۔ چونکہ ایک موت ہے جو انسان کی معین ہے، خدا نے مقرر کی ہے کہ اس دن مرنا ہے، کوئی چارہ نہیں ہے۔ لیکن ایک موت ایسی خداوند متعال نے مقرر کر دی ہے، جو معین نہیں ہے بلکہ وہ انسان کے سر پر تلوار کی طرح لٹکتی رہتی ہے۔ انسان کے اختیار میں ہے کہ اس کو دعوت دے یا اسے ٹال دے، یہ ہمارے اختیار میں ہے۔ ایک موت ہے جو ہم ٹال سکتے ہیں اور ایک موت ہم سے نہیں ٹلتی۔ کون سی موت ہم سے نہیں ٹلتی اور کونسی موت ہم ٹال سکتے ہیں؟ جیسے کہتے ہیں کہ صدقہ دیں تو موت ٹل جاتی ہے، بلائیں دور ہو جاتی ہیں، پس صدقہ ایک ایسی چیز ہے جس سے انسان سے موت ٹل جاتی ہے۔ چونکہ انسان سے دو اموات وابستہ ہیں۔ ایک وہ موت ہے جو سر پر

منڈلاتی رہتی ہے، اسے ہم ٹال سکتے ہیں لیکن ایک موت وہ ہے کہ ہم کچھ بھی کریں صدقہ دیں یا نہ دیں، بالآخر اس دن انسان کو حتماً مرنا ہی ہے اور ہر ایک کے لیے وہ طے ہے۔ بعض لوگ ہیں جو جوانی میں مر جاتے ہیں، بعض ایکسیڈنٹ میں مر جاتے ہیں، بعض ہارٹ اٹیک سے مر جاتے ہیں اور بعض کسی اور وجہ سے۔ اکثر ہم لوگ اس موت سے مرتے ہیں جو طے شدہ یا معین موت نہیں ہے بلکہ یہی جو منڈلاتی ہوئی موت ہے، اسی سے مر جاتے ہیں۔ یعنی جس کو ٹالا جا سکتا ہے اسی موت سے ہم مر جاتے ہیں۔ کچھ کام ایسے ہوتے ہیں جن کو ہم ٹال دیتے ہیں۔ جیسے ہم بہت ساری ذمہ داریاں ٹال دیتے ہیں، بہت سارے فرائض اپنے ذمہ سے ٹال دیتے ہیں۔ جبکہ ٹالنے کے لیے فقط ایک چیز ہے، وہ کیا ہے؟ وہ عجل معلق ہے یعنی منڈلاتی ہوئی موت، جو حادثاتی موت ہے، ایکسیڈینٹل موت ہے، اس کو آپ ٹال دیں۔ کس طرح سے ٹالیں؟ دو طریقے ہیں ایک صدقہ دیں اور ایک صلہ رحمی کریں۔ صلہ رحمی یعنی رشتہ داروں کے ساتھ روابط رکھیں، ان کے ساتھ متصل رہیں۔ روابط کا مطلب نہ صرف یہ ہے کہ آتے جاتے ہوئے ان کو سلام کہہ دیں بلکہ ان کے حقوق بھی ادا کریں۔ اب جس کا حق احترام ہے اس کا احترام کریں، جس کا حق سلام ہے اس کو سلام کریں، جس کا حق، شفقت و مہربانی ہے اس کے ساتھ شفقت و مہربانی کریں۔ جس کا حق عیادت ہے اس کی عیادت کریں، جس کا حق مدد کرنا ہے اس کی

مدد کریں، جس کے واجب حقوق ہیں آپ اس کے واجب حقوق ادا کریں۔ اسی سے خاندان باقی رہتے ہیں، اسی سے انسان باقی رہتا ہے اور صلہ رحمی سے پورا قبیلہ، پورا خاندان آپس میں ایک دوسرے سے مربوط رہتا ہے۔ قطع رحمی گناہان کبیرہ میں سے ہے، جو قطع رحمی کرے یعنی رشتہ داروں سے رابطہ کاٹ دے، ان سے رابطہ نہ رکھے، ان کے حقوق ادا نہ کرے یعنی جن کا احترام کرنا ہے نہ کرے، جن پر رحم و شفقت کرنی ہے ان پر شفقت نہ کرے، یہ قطع رحمی ہے جو حرام ہے اور گناہانِ کبیرہ ہے۔ بعض گناہ ایسے ہیں جن کے بارے میں خداوند متعال نے فرمایا کہ وہ شرک کی حد تک ہیں۔ ان میں سے ایک بڑا گناہ جو خدا کو بہت زیادہ ناپسند ہے وہ قطع رحم ہے۔ رشتہ داروں کا آپس میں ایک دوسرے سے ناطہ توڑ دینااور تعلقات ختم کر دینا۔ جس کو ہم آج کل فخر سمجھتے ہیں۔ آج کل بہت اچھا آدمی وہ ہے جس کا اپنے رشتہ داروں میں سے کسی کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو، وہ کہتا ہے جی ہم تو کٹ کٹا کر بس بیٹھے ہوئے ہیں، یہ تو بہت گناہگار آدمی ہے۔ رشتہ دار سارے اچھے نہیں ہوتے۔ کوئی اچھا ہوتا ہے تو کوئی برا ہوتا ہے، بلا آخر طبیعتیں سب کی مختلف ہوتی ہیں۔ اب اگر رشتہ دار ہمارے ساتھ اچھا رویہ نہیں رکھتے تو یوں نہیں کہ ہم بھی ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کریں، کسی نے ہمارے ساتھ اچھا رویہ نہیں رکھا تو ہم بھی اس کے ساتھ اچھا رویہ نہ رکھیں۔ بلکہ اگر کوئی آپ

کے ساتھ غلط رویہ بھی رکھتا ہے آپ کا کام ہے کہ اس کے ساتھ رابطہ رکھیں، اس کا احسان سے جواب دیں، اس کی برائی کا بھی اچھائی سے جواب دیں تاکہ یہ رحم کا سلسلہ آپس میں برقرار رہے۔

خواتین مرکزِارتباط

اس رابطے پر ذرا غور کریں کہ یہ جو خدا نے رشتے داروں کے ساتھ تعلقات کا نام قرآن میں صلہ رحمی رکھا ہے اور ان کے ساتھ تعلقات توڑنے کا نام قطع رحمی رکھا ہے۔ جس کے اتصال کا خدا نے حکم دیا ہے اسے توڑنے پر خدا کی لعنت ہے۔ رشتے داروں کے ساتھ رابطے کی یعنی صلہ رحمی کی بنیاد درحقیقت خواتین ہیں۔ مرد کے ذریعے سے رابطہ نہیں برقرار کیا گیا۔ یعنی درحقیقت ارتباط کی محافظت خواتین ہیں اور خاندان کی بقا درحقیقت خواتین کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اگر خواتین چاہیں گی تو رشتے دار آپس میں مرتبط رہیں گے اور اگر خواتین نہیں چاہیں گی تو مرتبت نہیں رہیں گے اور روزمرہ ہمیں یہ چیزیں نظر بھی آتی ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ماں باپ کی دو اولاد ہوں اور وہ بھی جوان ہو، ایک دوسرے کے لیے شیر و شکر ہو، ایک دوسرے کے لئے جان دینے کے لئے تیار رہتے ہوں، ایک دوسرے کے لیے ایثار کرتے ہوں، ایک دوسرے کے لئے قربانی دینے کے لیے تیار رہتے ہوں اور ایک دوسرے سے

ہمدردی کرتے ہوں، مگر جب ان نوجوانوں کی شادی ہو جاتی ہے، پھر ماں باپ سے دور ہوتے جاتے ہیں حتیٰ ایک دوسرے سے ملنا ملانا چھوڑ دیتے ہیں۔ پھر لوگ حیران ہوتے ہیں کہ کیا تم ایک ہی ماں باپ کی اولاد تھے جو ایک دوسرے سے دور ہو گئے ہو؟ ایسا کیوں ہوا؟ اس لئے کہ کچھ لوگ باہر سے اضافہ ہوئے ہیں۔ اور وہ کون لوگ ہیں؟ وہ ان کی بیویاں ہیں۔ یہ بیویاں جب سے آئی ہیں، انہوں نے دو بھائیوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہے، انھوں نے ان بھائیوں کو، ان کے ماں باپ سے بھی جدا کر دیا ہے۔ حالانکہ قرآن نے ان کی ڈیوٹیاں لگائی تھیں کہ جدا لوگوں کو آپس میں ملانا ہے اور صلہ رحمی کرنی ہے۔ یعنی خواتین کو یہ کام کرنا ہے کہ ان دو بھائیوں کو جوڑنا ہے۔ نہ کہ جڑے ہوئے بھائیوں کو جدا کر دینا ہے۔ یہ گناہان کبیرہ میں سے ہے اور اس خاتون کو خدا کبھی بھی نہیں بخشے گا، جس نے دو بھائیوں کو آپس میں جدا کیا ہے، جس نے اولاد کو ماں باپ سے جدا کیا ہے، بہن بھائیوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا ہے۔ اور یوں نہیں کہ صرف خواتین ہی یہ کام کرتی ہیں بلکہ مرد بھی یہ کام کرتے ہیں، جب ان میں زنانہ پن آجاتا ہے تو یہ بھی ایک دوسرے کو دور کر دیتے ہیں۔

گھر کا سارا دارومدار خواتین پر ہوتا ہے۔ اگر یہ خاتون خانہ بچوں کی اچھی تربیت نہ کرے، ان کو صاف ستھرا نہ رکھے، تو یہ بچے

آلودہ ہو جائیں گے، یہ گندگی کا ڈھیر بن جائیں گے، ان کی زندگی دیکھنے کے قابل نہیں رہے گی۔ اور اگر گھر میں ایک جنت کا ماحول بنا ہوا ہے، تو یہ بھی فقط ایک خاتون کی وجہ سے ہے۔ اگر انسان وقت پر ہر جگہ پہنچ جاتا ہے، وقت پر اُسے سب کچھ مل جاتا ہے، سب آسودہ خاطر رہتے ہیں، مطمئن رہتے ہیں، ہر کام اپنے وقت پر انجام پا جاتا ہے تو اس کا صرف ایک ہی شخص ذمہ دار ہے اور وہ خاتون خانہ ہے۔ جب سب سو رہے ہوتے ہیں، وہ اٹھ کر سارے کام انجام دے رہی ہوتی ہے۔ اگر رمضان المبارک میں روزہ رکھنا ہو، سب خراٹے بھر رہے ہوتے ہیں، ایک خاتون خانہ ہے جو جلدی بیدار ہو جاتی ہے۔ دوسروں کو تین بجے اٹھنا ہے، لیکن وہ ایک یا دو گھنٹے پہلے اٹھ کر ان کے لیے سحری آمادہ کر رہی ہوتی ہے یعنی ایک شخص کی وجہ سے یہ ساری عبادتیں ہو رہی ہیں۔ اگر وہ ایک نہ جاگے تو یہ سب روزہ رکھنے کے قابل نہیں رہتے۔ بس آپ دیکھیں کہ کیسا اہم کردار اور رول ہے جو یہ خاتون انجام دے رہی ہے کہ عبادتوں کا مرکز بھی یہی ہے جس کی وجہ سے ہم عبادت کر رہے ہیں۔ اگر یہ نہ ہو، یہ نہ پکائے اور یہ کھانا نہ دے تو دوسرے دن سارے گھر والے روزہ رکھنے کے قابل نہیں ہونگے۔

صلہ رحمی کا کام بھی خواتین کے ذریعہ سے برقرار ہو گا کیونکہ مردوں کے اندر سکوت ہے۔ انھیں کہا جائے کہ روابط رکھیں تو رابطے

جوڑ لیں گے۔ لیکن دوسرے دن اس کو توڑ بھی دیں گے ان کے لئے توڑ دینے میں کوئی مشکل نہیں ہوتی۔ لیکن خواتین کا دل خدا نے اس طرح سے بنایا ہے کہ ان کے لیے رابطے توڑنا دشوار ہے۔ اگر خدانخواستہ ایک خاتون ایسی بن بھی جائے تو یہ اس وقت ہوتا ہے جب اس کا دل سخت ہو جاتا ہے۔ جس طرح قرآن نے بھی کہا کہ بعض دل پتھر ہیں یا پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ جب ایک خاتون یہ کام کرتی ہے، روابط کو توڑ دیتی ہے، دو بھائیوں کے درمیان اختلاف ڈال دیتی ہے یعنی اب اس کا دل پتھر کی طرح سخت ہو گیا ہے۔ ٹھیک ہے اس کو یہ حق حاصل ہے کہ یہ الگ زندگی بسر کرے، اس کا اپنا گھر ہونا چاہیے، اس کا اپنا تصرف اس گھر میں ہونا چاہیے، یہ سب کچھ اس کا حق بنتا ہے۔ لیکن یہ حق نہیں پہنچتا کہ بیٹے کو باپ سے جدا کر دے یا ماں سے جدا کر دے اور شوہر کو بہنوں سے جدا کر دے، عزیزوں اور رشتہ داروں سے جدا کر دے۔ اپنا گھر بنانے کا اس کو حق حاصل ہے، اپنی زندگی بنانے کا حق اس کو حاصل ہے، اپنے حقوق لینے کا اس کو حق حاصل ہے۔ اگر ایک خاتون یہ دیکھے کہ شوہر اپنے بہن بھائیوں کی طرف توجہ نہیں کرتا تو یہ زوجہ کا وظیفہ ہے کہ شوہر کو آمادہ کرے، اس کو بتائے کہ تو آج اپنی ماں کا حق ادا نہیں کرتا تو کل تو میرا حق بھی ادا نہیں کرے گا۔

ماں کی آغوش سے معراج تک

تربیت کے لیے پہلی بنیاد اور پہلا مدرسہ خداوند تبارک و تعالیٰ نے خاندان کو مقرر کیا ہے اور خاندان میں بھی اہم ذمہ داری خاتون خانہ کی ہے، خواتین پر سب سے پہلی اور اہم ترین ذمہ داری تربیت کی لاگو ہوتی ہے۔ امام خمینیؒ نے خواتین کے مقام اور کردار کے بارے میں فرمایا ہے کہ خدا نے ان کو ایسا عظیم مقام و منزلت عطا کیا ہے کہ حتیٰ عظیم ترین مرد بھی درحقیقت اسی تربیت گاہ سے اور آغوش سے تربیت پاکر کسی عظیم مقام تک پہنچے ہیں، امام خمینیؒ فرماتے ہیں:

"از دامن زن مرد بہ معراج میرود"

یعنی عورت کی گود سے مرد معراج کو پہنچ جاتا ہے، یہ آغوش وہ ہے جس میں نبی پلتے ہیں، جس میں امام معصومؑ پلتے ہیں، جس میں اولیاء الٰہی تربیت پاتے ہیں اور ان مقامات عالیہ تک پہنچتے ہیں، لیکن خود اس عظیم معلم اور مربی کو معلوم ہونا چاہیئے کہ خدا نے اسے کون سا عظیم مقام عطا کیا ہے، ایسا نہ ہو کہ اپنے آپ کو گم کر بیٹھے اور وہ حیثیت جو اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے اسے چھوڑ کر وہ مقام اپنانے کی کوشش کرے جو معاشرہ اسے دیتا ہے یا جو مقام ہمارے کلچر نے اس کیلئے تعین کیا ہوا ہے۔ اس وقت مرد ہوں یا خواتین سب معاشرتی رسوم و رواج میں غرق ہیں، خواتین سمجھتی ہیں کہ انکی ذمہ داری فقط معاشرتی

،علاقائی اور گھریلو رسوم ورواج پر عمل کرنا ہے، حالانکہ جو مقام قرآن نے خواتین کو دیا ہے وہ بہت بلند ہے۔

عورت اور مرد کا ایک مقام

قرآن کے بیان کردہ احکامات میں مرد وزن کے حوالے سے کچھ فرق پایا جاتا ہے، جیسے مرد وزن کی جسمانی ساخت اور بناوٹ میں فرق ہے، اسی طرح بعض احکامات میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ احکامات میں پائے جانے والے فرق کو انسانیت کے اندر فرق قرار نہیں دیا جاسکتا، ایسا نہیں کہ مرد وزن کے بعض احکامات مختلف ہیں، لہٰذا ان کی انسانیت میں بھی قرآن کی رُو سے کوئی فرق پایا جاتا ہے۔ یہ نتیجہ لینا غلط ہے کہ احکام میں پایا جانے والا فرق ان کی انسانیت میں پائے جانیوالے فرق پر دلیل ہے۔ قرآن نے انسان کا جو مقام ذکر کیا ہے اس میں مرد و خواتین، دونوں برابر کے شریک ہیں۔ انسان جسم نہیں ہے کہ جسم میں پائے جانے والے فرق سے اس کی انسانیت میں بھی فرق قائم ہو جائے، جیسے لباس میں پائے جانے والے فرق سے انسان کے مقام میں فرق نہیں پڑتا۔ انسان اگر مرد ہو تو بھی ایک روح ہے اور عورت ہو تو بھی اس سے مراد ایک روح ہے۔

قرآن میں خواتین بطورِ اُسوہ

قرآن نے جہاں عظیم مردوں کا ذکر کیا ہے وہاں بہت سی عظیم خواتین کا بھی ذکر کیا ہے، انسانیت کے لیے اُسوہ اور نمونے کے طور پر قرآن نے بعض ایسی خواتین کا ذکر کیا ہے جو عصمت کے مقام پر بھی فائز نہیں ہیں، قرآن میں نام لیکر جن کا تذکرہ ہوا ہے ان میں سے صرف ایک خاتون حضرت مریمؑ مقام عصمت پر فائز ہیں، قرآن کی نظر میں یہ غیر معصوم خواتین وہ ہیں جن کو کوئی اچھا گھرانہ، ماحول اور مربّی میسر نہیں آیا لیکن انہوں نے معاشرے میں پھر بھی ایک اعلیٰ کردار ادا کیا ہے، انہوں نے غیر معصوم ہونے کے باوجود اور پست ماحول میں رہتے ہوئے بھی اپنی ذمہ داریوں کو پہچان کر خدا کے ہاں عظیم مقام حاصل کیا ہے جس کی وجہ سے خدا اِن کا نام معصوم خواتین کے ساتھ ذکر کرتا ہے، مثال کے طور پر جناب آسیہ جو فرعون جیسے بدترین انسان کی زوجہ ہے، فرعون تاریخ کی بدنام ترین شخصیت ہے، لیکن اس کی بیوی جناب آسیہ قرآن اور روایات کے بقول عالم بشریت کی چار عظیم خواتین میں سے ایک ہیں۔ خواتین اکثر اوقات یہ بہانہ بھی بناتی ہیں کہ ہمارے گھر کا ماحول ایسا ہے، ہمارے شوہر ایسے ہیں، ہمارے والد اور بھائی کی یہ حالت ہے کہ وہ ہمیں ہمارے دینی فرائض کی ادائیگی سے روکتے ہیں، ہم ان کے تابع ہیں، گھر ان کا

ہے، وسائل ان کے اختیار میں ہیں۔ فرعون سے بُرا شوہر کوئی بھی فرض نہیں کیا جاسکتا جس کی بیوی عالم بشریت کی بہترین خاتون ثابت ہوئی ہے۔ قرآن نے ان خواتین کے لیے جان بوجھ کر یہ نمونہ پیش کیا ہے جن کو اچھا گھریلو ماحول میسر نہیں یا نامناسب شوہر اور نامناسب صورتحال کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہوں۔ قرآن نے یہ سمجھانے کیلئے یہ نمونہ پیش کیا ہے کہ اگر نامناسب اور پست ماحول کے شکار مرد وخواتین اپنی ذمہ داریاں نبھانے کا اور خودسازی کا ارادہ کرلیں اور اپنی تربیت کرنا چاہیں تو اپنے فرائض کو بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔ قرآن کے ان اُسوات میں سے ہر ایک کی سیرت میں ہمارے لیے ایک اعلیٰ نمونہ موجود ہے، ان میں سے ہر ایک کی سیرت میں ہمارے لیے ایک الگ قابلِ تقلید پہلو موجود ہے۔ کربلا کے انسانیت ساز واقعہ میں بھی خواتین نے مردوں کے شانہ بشانہ کردار ادا کیا ہے بلکہ بعض مقامات پر مردوں سے بڑھ کر خواتین کا کردار نظر آتا ہے۔

کردار سازی اور خاندان سازی

یہ بات ہمارے مدنظر رہنی چاہئے کہ اس سے پہلے کہ ہم کوئی قابل ذکر کردار ادا کریں، ہمیں خود کو اسکے لیے بنانے اور سنوارنے کی ضرورت ہے، اپنی کردار سازی کی ضرورت ہے۔ پہلے بھی ذکر ہو چکا

ہے کہ انسان اور دیگر مخلوقات میں یہ فرق ہے کہ خدا نے ان کو مکمل بنا کر اس عالم میں بھیجا ہے جبکہ انسان کو انسان بننے کیلئے اس عالم میں بھیجا ہے، تا کہ خود اپنے آپ کو بنائے، ہم بنا کر نہیں بلکہ خود بننے کیلئے اس جہان میں آئے ہیں، اس دنیا میں آنے کے بعد ہمارا ایک ہی فریضہ ہے کہ ہم انسان بنیں! فارسی میں ایک مقولہ ہے:

عالم شدن چه آسان

آدم شدن چه مشکل

یعنی عالم بننا کس قدر آسان ہے لیکن انسان بننا بہت مشکل ہے، اسی طرح امام خمینیؒ فرماتے ہیں کہ عالم بننا مشکل ہے مگر انسان بننا محال ہے یعنی انسان بننا اتنا سخت ہے کہ محال کی مانند ہے، محال سے مراد عقلی طور پر محال نہیں بلکہ عام طور پر محال ہے، ایک شعر ہے:

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

یعنی عورت و مرد اگر فرشتہ بننا چاہیں تو آسان ہے مگر انسان بننے کیلئے ممکن ہے آدھی یا ایک صدی درکار ہو، پس ہم انسان بن کر نہیں آئے، ہمیں ایک کردار ادا کرنا ہے اور ادائیگی سے پہلے اس کردار کو بنانا پڑے گا، ہمیں بنا بنایا کردار نہیں دیا گیا، خود سے محنت کرنی ہوگی، ہمارے لیے مشکل یہی ہے کہ پہلے اپنا کردار بنائیں اور پھر اسے ادا بھی کریں اور اس سے بھی پہلے پہچانیں کہ ہمیں کیا

کردار ادا کرنا چاہئے ؟ آیا ہمارا کردار فقط کھانا پینا، سونا جاگنا اور اوڑھنا بچھونا ہی ہونا چاہئے ؟ نہیں یہ انسانی مقام نہیں ہے،اگرچہ یہ تمام کام زندہ اور تندرست رہنے کیلئے ضروری ہیں، لیکن یہ ہمارا کردار نہیں ہے۔یہ کردار تو حیوان کا بنتاہے،اگر ایک انسان سے پوچھیں کہ تم نے چالیس پچاس سال کیا کیاہے ؟ اور وہ کہے کہ کھایا پیاہے، تنومند بناہوں،اپنے آپ کو سردی و گرمی سے بچایاہے۔اسی طرح اگر ایک جانور سے پوچھیں کہ تم نے ساری زندگی کیا کیا ہے ؟اور وہ بھی یہی کہے کہ میں نے کھایا پیا ہے۔ تو اس انسان اور جانور میں کیا فرق ہے؟ کھانے پینے اور محفوظ رہنے کے ساتھ انسان کا کام یہ ہے کہ اپنا کردار بنائے اوراسے معاشرے میں ادا کرے۔تربیت سے مُراد یہی کردار سازی ہے یعنی اپنا کردار بنانا ،اپنے اندر انسانیت پیدا کرنا،اپنے آپ کو مقامِ انسانیت تک پہنچانا،اور یہ کام خاندان سے ہی شروع ہوتاہے،انسانیت کی بنیاد خاندان میں رکھی جاتی ہے۔جس گود، جس آغوش اور جن ہاتھوں سے یہ بنیاد رکھی جاتی ہے وہ ماں کے ہاتھ اور آغوش ہے، مثال کے طور پر ایک بچی پیدا ہونے کے بعد ماں کی آغوش میں پروان چڑھتی ہے اُسے سب سے زیادہ فطری طور پر جو کردار پسند ہوتا ہے وہ ماں بننے کا ہے ۔اپنی گڑیا کے ساتھ بھی وہ وہی کردار ادا کرتی ہے جو ماں ایک

بچے کے ساتھ ادا کرتی ہے، گویا وہ اپنے لیے ماں بننے کے کردار کو تشکیل دے رہی ہے۔ اسکی ریہرسل کر رہی ہے تا کہ جب اصلی ماں بنے تو اس کردار کو بطریق احسن ادا کر سکے، لیکن یہ بچی جیسے جیسے بڑی ہوتی ہے، لڑکپن اور پھر جوانی میں قدم رکھتی ہے تو سب کچھ بھول جاتی ہے کہ مجھے کیا بننا ہے، کچھ اور ہی بن جاتی ہے، بلکہ یہ بھی بھول جاتی ہے کہ مجھے انسان بننا ہے۔ ماں تو بہت دُور کی بات ہے۔ یہ ذمہ داری خاندان کی ہے کہ اسکی فطری اور پہلی بنیادوں کو قائم رکھے، خاندان ہی انسان کو انسانیت کے راستے پر ڈالتا اور رہٹاتا ہے۔

خاندان سازی میں درپیش خطرات

خاندان کے تمام افراد کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ اپنے خاندان کی بنیادوں کو قائم رکھے، کوئی بھی ایسا کام کرنا جرم اور حرام ہے جو ہمارے خاندان کی بنیادیں ہلا دے۔ ایسے کاموں سے پرہیز کیا جائے جن سے خاندان کی ساخت متاثر ہوتی ہو، دلوں میں رنجشیں اور رشتوں میں دراڑیں پڑتی ہوں، طعنے اور طنز کی زبان کبھی استعمال نہیں کرنی چاہئے۔ اسلام کی نگاہ میں وہ اقدامات حرام مسائل کے زمرے میں آتے ہیں جو خاندان کو کمزور اور سُست کرتے ہوں۔ ہر کسی کو ان کا خیال رکھنا ہے۔ خاص طور پر دو رشتے ایسے ہیں جو ایک دوسرے

کیلئے طعنے کی زبان استعمال کرتے ہیں، وہ بہو اور ساس ہیں، خاندان میں ایک بڑی جنگ انہی دو ہستیوں کے درمیان جاری رہتی ہے، ہر بات میں کوئی نہ کوئی طعنہ، طنز و کنایہ شامل ہوتا ہے، دوسروں کے دل کو چوٹ پہنچا کر خوش ہونے والے لوگ قرآن کے بقول مریض ہوتے ہیں، جو دوسروں کا دل دکھا کر سکون محسوس کریں وہ واقعاً سخت قسم کے مرض کا شکار ہیں۔ قرآن کہتا ہے:

"فی قلوبھم مرض" (سورۃ بقرہ: آیت ۱۰)

بیماریوں میں شدید اور خطرناک ترین دل کی بیماری ہے، اسی لیے قرآن نے خطرے کی نشاندہی کی ہے کہ خبردار تم دل کے مریض ہو! جیسے آپ نے بچوں کو دیکھا ہوگا کہ بسا اوقات اگر ایک بچہ گرتا ہے تو دوسرے بچے ہنستے ہیں، یہ خطرناک عادت اور بیماری ہے، یہ حالت اچھی نہیں ہے، کسی کے گرنے پر ہمارے دل میں ہمدردی پیدا ہونی چاہئے، اس کو اُٹھانا چاہئے، اس سے پوچھنا چاہئے کہ تمہیں کوئی چوٹ تو نہیں لگی، اس کی دیکھ بھال کرنی چاہئے، اسی طرح جیسے ایک ماں اپنے بچے کے گرنے اور چوٹ لگنے پر بے چین اور بے قرار ہو جاتی ہے، ماں اُس کے گرنے سے محظوظ نہیں ہوتی ہے، اسی طرح اگر خاندان کا کوئی ایک فرد مشکل میں ہو تو دوسروں کو پریشان ہونا چاہئے نہ کہ ان کے دلوں میں سکون محسوس ہو۔

خاندان اور آفاتِ زبان

سب سے گہرا زخم جو کہ مندمل نہیں ہوتا وہ زبان کا زخم ہے، بعض لوگوں کے منہ میں زبان کی جگہ ڈنگ ہوتا ہے، جس طرح سانپ کے منہ میں زبان کی بجائے ڈنگ ہوتا ہے، وہ بار بار یہ ڈنگ اپنے منہ سے نکال کر دوسروں کو دکھاتا ہے کہ مجھ سے بچ کر رہنا۔ سانپ اتنا نہیں ڈستا جتنا انسان ایک دوسرے کو ڈستے ہیں، جب بھی زبان کھولتے ہیں کسی نہ کسی کو چوٹ لگاتے ہیں، کسی کو زخم، کسی کی آبروریزی، کسی کی توہین، کسی کی شخصیت کشی، کسی کی کردار کشی، کسی کو اس کے مقام سے نیچے گرانا، کسی کو طعنہ و طنز، کبھی بھی انکی زبان سے کوئی ایسا لفظ نہیں نکلتا جو دوسروں کو خوشحال کرے اور وہ سوچیں کہ چلو آج تو اس نے ایک اچھی بات کی ہے۔

خاندان کیلئے خطرناک ترین صورتحال یہی ہوتی ہے کہ جب اہل خانہ کے منہ میں ایک دوسرے کیلئے زبان کی جگہ ڈنگ آجائیں، پھر یہ انسان نہیں سانپ بن جاتے ہیں۔ یہ استغفار اور توبہ کا مقام ہے کہ ہماری زبان ایسی صورتحال اختیار کرے اور ہمارے الفاظ دوسروں کی تکلیف کا باعث بن جائیں، دوسروں کو ہماری وجہ سے دکھ پہنچے، اگر غلطی سے ایسا ہو جائے تو ہمیں فوراً مرہم لگانا چاہیئے، پٹی اور دیکھ بھال کرنی چاہیئے، پٹی اور مرہم سے مراد معذرت اور دلجوئی

ہے، مرہم اور علاج یہی ہے کہ ہم معافی مانگیں، اپنی غلطی کو تسلیم کریں، کیونکہ اگر ہم معافی مانگنے میں کامیاب نہ ہوئے اور لوگوں نے ہمیں معاف نہ کیا تو ہمارے لیے خدا کے ہاں عذابِ عظیم ہے، کتنے لوگ ایسے ہیں جو اپنی زبان کے ہاتھوں جہنم میں جا پہنچیں گے۔ حدیث معراج میں بھی اس کا ذکر موجود ہے، قرآن میں سورۃ اسراء میں رسولؐ اکرم کی ایک معراج کا ذکر موجود ہے البتہ آپؐ کو کئی بار معراج ہوئی، ایک معراج پر آپؐ نے جہنمی عورتوں کو مختلف سزاؤں میں مبتلا دیکھا۔ ایک گروہ کے متعلق دریافت کیا تو جبرائیل نے بتایا کہ یہ وہ ہیں جو دوسروں کو اپنی زبان سے زخم لگاتی تھیں۔

غیر ضروری عادات کا خاتمہ

ہمیں چاہئے کہ پہلے اپنی عادات دریافت کریں کہ ہماری یہ عادتیں ہیں اس کے بعد ان میں سے بُری عادات کو ترک کریں، کیونکہ کہ بچے کی تربیت کرنے سے پہلے خود والدہ اور تربیت کرنے والوں کی تربیت ضروری ہے، اسی لیے ابھی تک تربیت پانے کے بارے میں بتایا جارہا ہے۔ بچے کی تربیت اس سے اگلا مرحلا ہے۔ ہماری بعض عادات اتنی پختہ ہو چکی ہیں کہ جتنا بھی کنٹرول کرلیں ان سے جان چھڑانا ممکن نہیں ہوتا، کہیں نہ کہیں زبان سے کچھ ضرور نکل

آتا ہے، کچھ نہ کچھ ہم سے سرزد ہو جاتا ہے اور بعد میں خیال بھی آتا ہے کہ ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، اس حالت میں ہم یہ سوچیں کہ ہم اولاد کی تربیت کریں گے تو ایسا سوچنا بے معنی ہو گا۔ ایک تربیت کار کو بہت محتاط رہنا ہوتا ہے، خاص طور پر زبان کے معاملے میں۔ مثال کے طور پر ایک مہمان گھر پر آجائے تو بجائے اس کے کہ اس کی عزت افزائی کریں، کہا جاتا ہے آج کدھر راستہ بھول گئے ہیں؟ بالآخر آ تو گئے ہیں، عزیزان یہ سب طعن وتشنین کے زمرے میں آتا ہے، ہمیں اس چیز کو یوں دیکھنا چاہئے کہ یہی باتیں اگر کوئی ہمارے متعلق کرے تو ہمیں کیسا لگے گا؟ پس جس جملے سے میرا دل دُکھتا ہو مجھے بھی وہ کسی کو نہیں کہنا چاہئے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اپنے خاندان کا ماحول تربیتی بنائیں تو پہلے ہمیں اپنی سابقہ عادتوں اور ذہنیتوں کو حتماً بدلنا پڑے گا، ہمیں یہ سب تبدیل کرنے کی ضرورت ہے، ہم جس ذہن سے سوچتے ہیں اس سے تھوڑا سا ہٹ کر سوچنے کی کوشش کریں، سنجیدگی سے سوچیں، محض رسم و رواج کے تحت زندگی بسر نہ کریں، بلکہ رسم ورواج سے ہٹ کر اسلامی تعلیمات اور احکامات کے تحت زندگی بسر کرنے کے متعلق سوچیں۔ خدا نے ذہن فقط اس لیے نہیں دیا کہ اس سے کھانے کی ترکیبیں اور کپڑوں کے نئے انداز بنانے کی کوشش کریں، ذہین آدمی وہ ہے جو ذہن سے یہ

سوچ کہ مجھے انسان کیسے بننا ہے اور دوسروں کو کیسے انسان بنانا ہے ،اپنے خاندان کو انسان سازی کا کارخانہ کیسے بنانا ہے۔؟

عورت کا اصل ہُنر ''تربیت''

عورت کی مہارت فقط یہ نہیں ہے کہ وہ اچھا کھانا پکالے، بلکہ اسکی اصل مہارت یہ ہے کہ ایک اچھا بچہ تربیت کرے، ایک اچھا انسان بنانا عورت کا اصل ہنر ہے۔اس بات کی تلافی ممکن ہے کہ کھانا پکانے میں نمک کی مقدار کم رہ جائے یا کھانے کی ترکیب اچھی نہ ہو، ہمیں ریسٹوران چلانے اور گھر کو ریسٹوران بنانے کیلئے نہیں پیدا کیا گیا کہ گھر کو محض ایک چراگاہ بنادیں کہ فقط آئیں اور کھائیں، خاتون خانہ کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ اتنا پکا سکتی ہو جتنا کھایا جاسکے، اصل میدان جہاں اسے اپنا ہنر دکھانا ہے وہ میدانِ تربیت ہے، اس کے لیے آپ کو گھر میں ایک ماحول سازی اور خود پر کنٹرول کی ضرورت ہے۔ دراصل مرد اور عورت الگ الگ خاندانوں میں پلے بڑھے ہوتے ہیں، ان کی عادتیں مختلف ہوتی ہیں، کچھ صفات مرد ساتھ لاتا ہے اور کچھ صفات عورت اپنے ساتھ لاتی ہے، یہ دونوں فقط دو افراد نہیں ہوتے بلکہ ان کے ساتھ انکی صفات و عادات کا ڈھیر بھی ہوتا ہے، ممکن ہے اپنی بعض عادتوں کا دونوں کو پتا ہی نہ ہو، پس دونوں اپنی اپنی

عادات کی فہرست بنائیں۔ فرض کریں مرد کی سو عادات ہیں اور سو عورت کی تو دونوں کی دو سو صفات ایک خاندان میں اکٹھی ہو گئی ہیں، ممکن ہے مرد کے سونے کی عادت عورت کے سونے کی عادت سے مختلف ہو، دونوں کی کھانے کی عادات مختلف ہوں، بعض عادتیں دونوں کی مشترکہ بھی ہو سکتی ہیں۔ جب ہم ایک خاندان کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں ان میں سے بعض عادتیں چھوڑنی پڑتی ہیں اور بعض نئی عادات اپنانا پڑتی ہیں، یہ ہمیں سوچنا ہے کہ کون سی عادت چھوڑنی ہے اور کون سی اپنانی ہے، اگر ہم اپنی بعض عادات کو بچائیں گے تو ممکن ہے خاندان نہ بچ پائے، خاندان کو بچانے کیلئے ہمیں اس معاملے میں قربانی دینی ہے، ممکن ہے ہم ایک عادت نہ چھوڑ پائیں اور اُس کی وجہ سے خاندان سے ہی ہاتھ دھونا پڑے، مثلاً خاتون ڈٹی رہے کہ ہماری خاندانی روایت ہے کہ کھانے میں نمک زیادہ کھایا جاتا ہے اور مرد ڈٹا رہے کہ ہماری خاندانی روایت اونچا بولنا ہے، ہمارا کلچر ایسا ہے کہ اونچا بولنے کو دلیل سمجھا جاتا ہے، اگر ہم آرام سے بولیں گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری بات میں اتنا وزن نہیں ہے، یہ چیز آپ اسٹیج پر بھی دیکھ سکتے ہیں کہ اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کیلئے، اونچا بول بول کر ہمارے علماء اپنا حشر نشر کر لیتے ہیں، اپنے پھیپھڑوں کا تمام زور لگا کر آواز نکالتے ہیں، ایسا نہ کریں، آپ غلط بات پر زور لگا کر

بھی بولیں گے تو وہ غلط ہی رہے گی، صحیح بات چاہے آرام سے کہیں اسکی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا، بعض اوقات ہم بچوں کو چیخ کر بلاتے ہیں اور غلط باتیں بھی چیخ وپکار کے ذریعے ان پر تھونپ دیتے ہیں، وہ ہماری چیخ سے دب تو جاتے ہیں مگر غلط بات اپنا غلط اثر ضرور چھوڑتی ہے، بعض اوقات یہ چھوٹی سی عادت پورے خاندان کی بدبختی کا باعث بن جاتی ہے۔

عورت خاندان کی سربراہ

پس خاندان جو تربیت گاہ ہے، درس گاہ ہے، جہاں سے انسان کی تربیت شروع ہوگی اور اس تربیت کا دارومدار سارا خاتون پر ہے، یعنی اس تربیت خانے کی سربراہی درحقیقت خاتون کو ہی حاصل ہے۔ یہ آپ کا حق ہے جو آپ کو حاصل کرنا ہے، اس کیلئے آپ کو خود کوشش کرنی پڑے گی۔ کوئی عدالت آپکو یہ حق لے کر نہیں دے سکتی۔ اب یہ حق حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ کیا خاندان، سسرال اور شوہر کو الٹی میٹم دے کہ یہ میرا حق ہے جو مجھے فوری طور پر ملنا چاہئے؟ نہیں! یہ حق صرف عمل کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتا ہے، جب ہم تربیت کے ذریعے خاندان کو بہترین خاندان بنانے میں کامیاب ہوجائیں گے تو یہ حق خود بہ خود خاتون خانہ کو حاصل ہو جائے گا، مثلاً

اگر خاتون کو اچھا کھانا پکانا نہ آتا ہو اور شوہر اچھا کھانا پکانا جانتا ہو تو خود بہ خود شوہر کو کچن کی سرپرستی حاصل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مہارت اور ہنر خود بہ خود سرپرستی لے کر دیتے ہیں، اسی طرح اگر عورت تربیت کے میدان میں اپنی مہارت دکھائے تو خود بہ خود اس تربیت گاہ کی سرپرستی اس کو حاصل ہو جاتی ہے، اس سرپرستی کیلئے آپ کو بہت کچھ ترک کرنا پڑے گا اور بہت کچھ اپنانا پڑے گا، آج سے اسی نکتے پر غور کریں کہ گھر کو چراگاہ سے تربیت گاہ بنانے اور اس کی عملی سربراہی حاصل کرنے کیلئے کیا کچھ آپ کو چھوڑنا چاہیئے اور کیا اپنانا چاہیئے، ہر انسان اپنی ذات کو بہتر جانتا ہے مگر بعض اوقات انسان اپنی بعض عادتوں سے واقف نہیں ہوتا تو دوسروں کو چاہیئے کہ ہمدردی کے ساتھ اسکو یہ باور کرائیں نہ کہ تذلیل و تحقیر کے ساتھ۔

غلطی تسلیم کرنا

ایک اور بُری عادت جو ہمارے کلچر میں رائج ہے وہ یہی ہے کہ جب کوئی انسان ہماری کسی غلطی کی نشاندہی کرتا ہے تو ہمیں غصہ آجاتا ہے اور بہت بُرا محسوس ہوتا ہے اور اسکے برعکس اگر کوئی ہماری بے جا تعریف بھی کر دے تو ہمیں وہ بہت اچھی لگتی ہے، مثلاً کوئی ہمیں

کہہ دے کہ آپ تو بڑے مومن ہیں ، ہم بہت خوش ہو جاتے ہیں، چاہے ہم حقیقی مومن نہ بھی ہوں، ہمیں اس بات کو سمجھنا چاہئے کہ مومن مومن کا آئینہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں بھی ہے

"المومن مرأة المومن"

یعنی ہم ایک دوسرے کے لیے صاف و شفاف آئینہ بنیں ،اچھا آئینہ وہ ہوتا ہے جو انسان کے چہرے پر موجود ہر چیز دکھا دے ،اگر گرد و غبار ہو یا چہرے پر کالک لگی ہو اور آئینہ ہمیں نہ بتائے اور ہم اسی طرح محفل میں آجائیں تو آئینے کی خطا کی وجہ سے ہمیں زحمت اُٹھانا پڑے گی، آئینہ ہمیں صرف ہماری جلد اور ظاہری پہلو دکھاتا ہے جبکہ مومن وہ آئینہ ہے جو ہمیں ہماری پوری روح کی تصویر دکھا دیتا ہے ،ایک مومن کے اندر ہمیں اپنی روح،اخلاق اور عادات واطوار واضح طور پر نظر آنے چاہئیں، مومن ہی ہمدردی کے ساتھ یہ بتا سکتا ہے کہ آپ کے اندر یہ روحانی کمزوری موجود ہے ، ہمیں اس آئینہ کا شکر گزار ہونا چاہیے جو وقت سے پہلے ہمیں ہماری کمزوری کو دور کرنے کا موقع دیتا ہے۔ ہمیں اس آئینہ کو پھولوں کا تحفہ پیش کرنا چاہئے، جو ہمیں ہماری تصویر دکھائے۔ ہمیں چاہئے کہ اُس سے مدد طلب کریں کہ بتاؤ ہم اپنا یہ عیب کس طرح ختم کریں! نہ یہ کہ قیامت تک اس شخص کا بائیکاٹ کردیں کہ آج اس نے ہم سے یہ بات کر دی

ہے۔ البتہ اس چیز کا خیال رکھنا چاہیئے کہ کسی کو اس کی غلطی بتانے کی جگہ بھری محفل نہیں ہوتی، کسی کی شخصیت کشی کی ہمیں اجازت نہیں ہے اگر ہم بھری محفل میں کسی کی غلطی دیکھ لیں تو سب سے الگ جہاں کوئی دیکھ اور سُن نہ رہا ہو، اس کی اصلاح کیلئے اسکے ہمدرد کے طور پر اُسے وہاں لے جا کر بتائیں۔ اسی طرح اگر کوئی ہمیں ہماری خامی بتائے تو ہم اُسی جگہ اُس کا شکریہ ادا کریں کہ تم نے مجھے وقت پر بتا دیا ورنہ میرا یہ عیب ساری دُنیا کو نظر آتا اور اسکے بعد اپنا یہ عیب ہمیں دور بھی کرلینا چاہیئے، انسانیت کا کمال اپنی غلطی پر ڈٹ جانے میں نہیں ہے بلکہ اپنی اصلاح کرنے سے انسانیت کے درجات میں اضافہ ہوتا ہے، قبول کرلینے میں کمال انسانی ہے، اسلام یعنی تسلیم کرنا، تسلیم کرلینے والا ہی مسلمان کہلاتا ہے، یعنی وہ جو حق کو تسلیم کرلے مسلمان ہے جو حق بات کے مقابلے میں ڈٹ جائے اور انکار کردے وہ کافر ہے، قرآن نے کفار کی ایک صفت یہی انکار و تکذیب یعنی جھٹلا دینا بیان کی ہے، یعنی یہ مکذّبِ دین ہیں، دین و حق کی تکذیب کرتے ہیں۔

قرآن کے پیغام پر غور و فکر

قرآن کے یہ پیغامات ہم تک کیوں نہیں پہنچتے؟ کیونکہ ہم قرآن کو صرف بطور ثواب پڑھتے ہیں، ہم انکا ترجمہ نہیں پڑھتے اور نہ قرآن

کے کسی پیغام پر غور و فکر کرتے ہیں، کیا قرآن کے پیغامات کو عربی میں زبان پر جاری کر دینا کافی ہے تا کہ ثواب حاصل ہو؟ جیسے مجلس میں تبرک موجود ہوتا ہے مگر تبرک دینے کیلئے مجلس نہیں کی جاتی۔ اس طرح محض ثواب دینے کیلئے قرآن نازل نہیں کیا گیا۔ مجلس کا مقصد کچھ اور ہوتا ہے اور مجلس کے ثواب کے طور پر ایک ڈبہ تبرک دنیاوی ثواب کی صورت میں ملتا ہے اور ایک ڈبہ اخروی ثواب کا بھی آخرت کے اکاؤنٹ میں جمع ہو جاتا ہے، یہ دینی و دنیاوی ثواب دینے کیلئے مجلس برپا نہیں کی جاتی۔ بلکہ یہ ثواب کسی مقصد تک پہنچانے کیلئے ہوتا ہے۔ اگر ہمیں قرآن پر غور و فکر کرنا نہیں آتا تو اسے سیکھنا چاہئے۔ کہتے ہیں کہ اگر بیٹی کو کھانا پکانا نہ سکھایا تو شوہر کے گھر اسکی ناک کٹ جائے گی، حالانکہ قرآن سمجھ نہ آنے پر اسکی ناک کٹنی چاہئے، اگر ہماری بیٹی کو دینی و تربیتی آداب نہ آتے ہوں تو ہماری ناک کٹنی چاہئے۔ اگر لڑکی کو دینی مناسک اور احکام معلوم نہ ہوں تو یہ عیب ہے، دنیا میں بھی عیب ہے، آخرت میں بھی عیب ہے اور معصومینؑ کے سامنے بھی شرمندگی کا باعث ہو گا۔ ہم معصومینؑ کا سامنا کیسے کریں گے؟ ابھی بڑے جوش و خروش سے کہتے ہیں کہ امام زمانہؑ آجائیں۔ اگر امامؑ آجائیں تو کیا وہ ہمیں قطار میں کھڑا کر کے یہ پوچھیں گے کہ تمہیں جلیبی بنانا کیوں

نہیں آتی ہے ؟ تمہیں سویّاں بنانا کیوں نہیں آتیں ؟ آپ کو سموسہ و پیسٹری کی تمام ورائٹی بنانا کیوں نہیں آتی ؟ کیا ایسا ہے ؟ ایسا نہیں ہے امامؑ تو قطار میں کھڑا کرکے یہ پوچھیں گے کہ کیا تمہیں قرآن آتا ہے ؟ قرآن آنے سے مراد یہ نہیں کہ ہماری تجوید چیک ہو گی بلکہ اس چیز کا سوال ہو گا کہ تم نے قرآن میں سیکھا کیا ہے ؟ اس آیت سے تم کیا سمجھے ہو ؟ ابھی ہم کہتے ہیں کہ العجل یعنی جلدی آیئے ، ایسی صورتحال میں ہم کہیں گے کہ ذرا دیر سے ہی آتے تو اچھا تھا۔ ہم آرزو کریں گے کہ کاش ابھی نہ آتے کیوں کہ امامؑ آنے کے بعد ہمارے پسندیدہ کام نہیں کریں گے ، بلکہ وہ کام کریں گے جو خدا نے انکی ڈیوٹی لگائی ہے ، اگر ہمیں دین اور قرآن کے بارے میں آگاہی نہ ہو تو سب کے سامنے شرمساری کا باعث ہے ، خدا کے سامنے ، رسولؐ خدا کے سامنے اور آئمہؑ کے سامنے ۔

''قرآن فہمی'' سب سے افضل

جتنے کام خواتین جانتی ہیں ان سے کہیں زیادہ آسان کام قرآن سیکھنا ہے ، قرآن سے کہیں زیادہ مشکل کام جیسے سلائی ، کڑھائی وغیرہ ہم نے سیکھ لیے ہیں ، یہ کام تو دو چار محفلوں اور ملاقاتوں میں بھی

سیکھے جاسکتے ہیں، تو قرآن کیوں نہیں سیکھتے، اگر بیٹی کو آتا ہے اس سے سیکھ لیں اگر ہمسائے میں کسی کو آتا ہے تو اس سے سیکھ لیں اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، ہاں قرآن فہمی سے بھاگنے میں ضرور قباحت اور جواب دہی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ:

"خیرکم من تعلم القرآن و علمہ"

(مستدرک الوسائل، ج۴، ص ۲۳۵)

یعنی تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھتا اور سکھاتا ہے، پس سب سے افضل، ضروری، بنیادی اور پہلا کام قرآن سیکھنا ہے نہ کہ کچھ اور، اسی طرح بہترین گھر وہ نہیں جس میں بہت اچھے پردے لگے ہوں جس میں اچھے ڈیکوریشن پیس موجود ہوں یا جس میں زیورات کی بھر مار ہو، بلکہ بہترین گھرانہ وہ ہے جہاں قرآن سیکھا اور سکھایا جائے۔ قرآن ثواب بنانے کی کتاب نہیں بلکہ انسان بنانے کی کتاب ہے، یہ انسان سازی کا ایک نسخہ ہے۔ ہمارے قرآن سیکھنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ ہمیں انسان بننا ہے اور دوسروں کو انسان بنانا ہے، اپنے گھر کو انسان سازی کے کارخانے میں بدلنا ہے۔ ہر چیز بنانے کے نسخوں پر مبنی کتابیں مارکیٹ میں دستیاب ہیں، قرآن انسان سازی کے نسخے پر مبنی کتاب ہے، اس کے نسخوں پر عمل کرکے ہم سب انسان بن سکتے ہیں، جیسے خواتین اخباروں اور میگزینوں سے نوٹ کرلیتی ہیں کہ

فلاں ڈش بنانے کا نسخہ یہ ہے اور جب بھی کوئی پوچھتا ہے کہ مثلاً کدو کیسے بنائے جاتے ہیں، فوراً بتا دیتی ہیں کہ ایسے، اسی طرح انسان سازی ہے کہ اگر کوئی انسان سازی کا نسخہ پوچھ لے تو ہمیں فوراً بتانا چاہیے کہ ایسے انسان بنتا ہے۔

دوستی اور دشمنی

جو ہمیں ہمارا عیب بتاتا ہے وہ ہمارا دوست اور محسن ہے مگر جو دوسروں کو ہمارے عیوب سے آگاہ کرے اور بدنام کرے وہ ہمارا دشمن ہے، اب دیکھنا چاہتے ہیں کہ عیب بتانے والوں میں کون دوست ہے اور کون دشمن؟ تو آسان کلیہ یہی ہے جو آپ کو اصلاح کیلئے الگ سے بتائے، وہ دوست ہے لیکن جو بدنام کرے وہ خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ہمیں بھی کسی کی غلطی صرف اُسی کو بتانی ہے نہ کہ اُسے دوسروں کے سامنے بدنام کریں، غلط عادتوں کی نشاندہی کرنے والے کے شکر گزار بنیں اور ان عادتوں کو ترک کریں۔ کوئی بھی عادت اتنی آسانی سے نہیں چھوڑی جا سکتی۔

ایک صاحب کو حُقہ پینے کی عادت تھی، انکی شادی ہو گئی پہلے سُسرال کو انکی اس عادت کا پتہ نہیں تھا، انکی یہ عادت اتنی بڑھ گئی کہ جہاں بھی جاتے پہلے حُقہ جاتا بعد میں یہ جاتے، گھر میں بھی حُقہ

چلتا تھا، جب حُقہ پینے لگتے تو بیوی اُٹھ کر چلی جاتی، کیونکہ کمرے میں بو پھیل جاتی اور خود ان سے بھی اسکی بو آتی تھی، رفتہ رفتہ بیگم نے کھانا الگ کرلیا، سُسرال والے بھی بیچ میں آئے مگر یہ بضد رہے کہ میں بیوی چھوڑ سکتا ہوں حُقہ نہیں چھوڑ سکتا اور ایسا ہی ہوا بیوی کو طلاق دیدی، بالآخر خود بھی پھیپڑوں کے کینسر میں مبتلا ہو گئے، اسی طرح ہوتا ہے کہ کبھی ایک عادت پورے خاندان اور اپنی تباہی پر منحصر ہوتی ہے۔ ہمارے اساتید کے بقول ایک عادت چھوڑنا اسکے مترادف ہے کہ آپ ایک صحیح سالم دانت جو مسوڑھے میں بنیاد سمیت قائم ہو، سُن کیے بغیر نکلوائیں، ظاہر ہے یہ آسان کام نہیں ہے، عادت ایک دن میں نہیں چھوٹتی، مثلاً ایک دن میں سگریٹ نوشی چھوڑنا ہے۔ تو پہلا اثر یہ ہو گا کہ بھوک خراب ہو گی، نیند بھی خراب ہو گی، کئی نظام خراب ہو جائیں گے، سر درد شروع ہو جائے گا، اعصاب خراب ہو جائیں گے، چڑ چڑاپن آجائے گا، جھگڑے شروع ہو جائیں گے، نروس سسٹم متاثر ہو گا اور وجود کا سارا نظام درہم برہم ہو گا، اس لیے اگر کوئی دن میں دس بار تمبا کو نوشی کرتا ہے تو اسے چاہئے کہ پہلے پانچ بار پر لائے پھر دو پر، پھر ایک اور یہاں تک کہ ختم کر دے۔ اس طرح انسان کی بہت سی پختہ عادتیں کلچر کی وجہ سے بن جاتی ہیں، جیسے جھوٹ بولنا اور ایسی بہت سی رسمیں ہمارے وجود میں رچ بس جاتی

ہیں جو گہرائی تک ہمارے اندر اپنی جڑیں بنالیتی ہیں، اسی طرح بعض کام بھی کرنا ہمارے لیے دشوار ہو جاتے ہیں جیسے سچ بولنا بعض لوگوں کو پہاڑ معلوم ہوتا ہے، کیونکہ بچپن سے معاشرے میں ایسی تربیت ہوئی ہے کہ سچ کو کوئی مقام حاصل نہیں حتیٰ کہ بچپن میں والدین کے سامنے سچ بولنے سے پھنس جاتے تھے اور جھوٹ سے جان بچ جاتی تھی۔ آج یہی عادت پُختہ ہو گئی۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ سچ بولنے پر بچے کو چھوڑ دیں اور اس کی ڈانٹ ڈپٹ نہ کریں حتیٰ کہ اس نے نقصان بھی کیا ہو۔ کیونکہ اس طرح وہ آئندہ جھوٹ کا سہارا لے کر اپنی جان بچائے گا، سچ بولنے پر معاف کرنا تربیت کا حصہ ہے، ہمیں اپنی اولاد کو سچ کی تربیت دینی ہے کیونکہ جھوٹ کی بیماری سے ہزار برائیاں جنم لیتی ہیں۔

دین کا شارٹ کٹ؟

مشہور ہے کہ رسولؐ اکرم سے کسی نے پوچھا کہ کوئی ایک برائی بتائیں جسے میں چھوڑ دوں تو آپؐ نے کہا کہ جھوٹ چھوڑ دو، اس جھوٹ چھوڑنے کی وجہ سے اُسے تمام برائیاں چھوڑنی پڑتی ہیں، بعض اوقات ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ کوئی ایک ورد، ایک گولی یا کیپسول کی طرح، کوئی شارٹ کٹ بتائیں کہ سب ٹھیک ہوجائے، یہ اتنی نمازیں اور دین پر عمل مشکل کام ہے بس کوئی ایک جملہ بتادیں جو ہمیں

جنت میں لے جائے، خواتین میں یہ چیزیں زیادہ رائج ہیں، خصوصاً جادو ٹونے والے، دم درود کرنے والوں کا کاروبار ہی خواتین سے چلتا ہے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ دین کا کوئی شارٹ کٹ نہیں، کوئی گولی نہیں کہ ہم کھائیں اور جنت میں جائیں بلکہ مکمل دین پر عمل کرنا پڑے گا۔ایسا کوئی ورد نہ قرآن میں نازل ہوا ہے نہ کسی آسمانی کتاب میں، نہ کسی نبی پر اور نہ خدا نے لوگوں کیلئے ایسا کوئی فرشتہ مامور کیا ہے جو لوگوں کے لیے ایسے ورد لے کر آئے۔ جیسے ایک افسانہ الہ دین کے چراغ کا مشہور ہے کہ جن حاضر ہو جاتا ہے اور اسے جو بھی حکم دیں وہ تکمیل کرتا ہے۔ ایسا نہیں ہے ہمیں ہر کام کے لیے زحمت کرنا ہو گی، ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ کسی بزرگ سے ورد پوچھیں کہ گرمی بہت ہے کھانا نہیں بنا سکتی ایسا ورد بتائیں کہ دوپہر کو کھانے کا پکا پکایا دیگچہ آجائے، حتماً آپ کو زحمت کرنا ہو گی، گرم چولہے کے آگے گرمی میں کام کرنا ہو گا، میلے کپڑوں کو سردی میں پانی سے دھونا ہو گا۔

اسی طرح ایک شخص آیا کہ یارسولؐ اللہ کوئی شارٹ کٹ بتائیں، میں زیادہ کام نہیں کر سکتا، رسولؐ اکرم نے کہا ٹھیک ہے ایک جملہ بتا دیتا ہوں مگر وعدہ کرو کہ اس پر عمل کرو گے، اس نے وعدہ کر لیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تمہیں اب ساری عمر جھوٹ نہیں بولنا

ہے، کہنے لگا بس اتنی سی بات ہے تو ٹھیک ہے، وہ چلا گیا، نماز کا وقت ہوا اس نے سوچا کہ اگر نماز نہ پڑھی اور دوسرے صحابہ نے پوچھ لیا کہ نماز پڑھی ہے یا نہیں تو جھوٹ بولنا پڑے گا، یا سچ بتا کر رسوا ہونا پڑے گا، کیونکہ بے نماز آدمی کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔

امام صادق ؑ نے اپنی رحلت کے وقت حالت احتزار میں سب کو اکٹھا کیا اور کہا کہ جو نماز کو ہلکا اور سُبک سمجھتا ہے اُسے ہماری شفاعت حاصل نہیں ہو گی، بس اسی طرح ہر برائی کے معاملے میں وہ شخص سوچ میں پڑ جاتا تھا اور آہستہ آہستہ اسکی تمام برائیاں چھوٹ گئیں اور اعمال صالح برقرار ہو گئے۔ ہمیں بھی چاہئے اپنی بُری عادتوں کو آہستہ آہستہ چھوڑیں اور صفات حسنہ اپنائیں کیونکہ اس کے بغیر تربیت و انسان سازی اور خاص کر تربیت اولاد ممکن نہیں ہے۔ خدا سے دُعا ہے کہ ہم سب کو خود سازی اور خاندان سازی کی توفیق عنایت فرمائے۔

سوال نامہ

سوال نمبر 1۔ حاکم کی شرائط میں سے سب سے پہلی شرط ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے۔

الف۔ جو لوگوں کی ہدایت کر سکے۔

ب۔ جو لوگوں کی تربیت کر سکے۔

ج۔ جو لوگوں کو دنیا اور آخرت میں سعادت مند بنا سکے۔

د۔ تمام درست ہیں۔

سوال نمبر 2۔ تربیت اور ہدایت وہی کر سکتا ہے جو ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہو۔

الف۔ ہدایت یافتہ　　ب۔ تربیت یافتہ

ج۔ ہدایت پذیر　　د۔ الف اور ب درست ہیں۔

سوال نمبر3۔ تربیت سے مراد ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے۔

الف۔ کردار سازی　　ب۔ بدن سازی

ج۔ انسان سازی　　د۔ الف اور ج درست ہیں۔

سوال نمبر4۔ کون سا جملہ درست ہے؟

الف۔انسان دوسروں کو وہی کچھ دے سکتا ہے جو اس کے پاس ہو۔

ب۔انسان دوسروں کو وہی دے سکتا ہے جو دوسروں کے پاس ہو۔

ج۔انسان دوسروں کو وہی دے سکتا ہے جو اس کے پاس نہ ہو۔

د۔تمام درست ہیں۔

سوال نمبر 5۔ ہمارے اپنے بنائے ہوئے آداب و رسوم و طور طریقوں کو۔۔۔۔۔۔۔۔ کہتے ہیں۔

الف۔ آداب ب۔ کلچر

ج۔دونوں درست ہیں۔ د۔دونوں غلط ہیں۔

سوال نمبر 6۔ اسلام کی نگاہ میں خاندان کا تقدس اتنا ہی ہے جتنا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کا ہے۔

الف۔خانہ کعبہ ب۔ استاد

ج۔والدین د۔ تمام دوست ہیں۔

سوال نمبر 7۔ خدا نے خاندان کے متعلق مرکزیت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کو قرار دیا ہے۔

الف۔ مرد ب۔ خواتین

ج۔ معاشرے د۔ تمام درست ہیں۔

سوال نمبر8۔ رشتے داروں اور اقرباء کے ساتھ تعلقات باقی رکھنا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہلاتا ہے۔

الف۔ صلہ رحمی ب۔ قطع رحمی

ج۔ حسنِ ظن د۔ خوش اخلاقی

سوال نمبر9۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کے ذریعے موت کو ٹالا جا سکتا ہے۔

الف۔ نماز ب۔ صدقہ

ج۔ صلہ رحمی د۔ ب اور ج درست ہیں۔

سوال نمبر10۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سے انسان کی عمر کم ہو جاتی ہے۔

الف۔ جھوٹ ب۔ حسد

ج۔ غیبت د۔ قطع رحمی

سوال نمبر11۔ قطع رحمی کے متعلق خداوند متعال نے فرمایا ہے کہ یہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کی حد تک گناہ ہے۔

الف۔ جادو　　　ب۔زنا

ج۔ شرک　　　د۔تمام درست ہیں۔

سوال نمبر12۔یہ قول کس کا ہے: عورت کی گود سے مرد معراج تک پہنچتا ہے۔

الف۔ شہید مطہریؒ　　　ب۔امام خمینیؒ

ج۔استاد سید جواد آملیؒ　　　د۔ شیخ عباس قمیؒ

سوال نمبر 14۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سخت قسم کے مرض کا شکار ہے۔

الف۔ جو نماز نہ پڑھتا ہو۔

ب۔لوگوں کے درمیان جھوٹ بولے۔

ج۔دوسروں کے دل دکھا کر سکون محسوس کرے۔

د۔جو فرائض ادا نہ کرے۔

سوال نمبر 15۔قرآن میں خداوند متعال نے فرمایا: بیماریوں میں شدید ترین بیماری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کی ہے۔

الف۔ جگر ب۔ دل

ج۔ چشم د۔ زبان

سوال نمبر 16۔ فی قلوبھم مرض یہ آیت قران کی سورہ بقرہ آیت نمبر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں ہے۔

الف۔ 10 ب۔ 12

ج۔15 د۔20

سوال نمبر 17۔سب سے گہرا زخم جو مندمل نہیں ہوتا وہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کا زخم ہے۔

الف۔ دل ب۔ہاتھوں

ج۔زبان د۔ تمام درست ہیں۔

سوال نمبر 18۔ کس سورہ میں رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ایک معراج کا ذکر موجود ہے؟

الف۔ سورہ اسراء ب۔ سورہ بقرہ

ج۔سورہ تحریم د۔ سورۃ انفال

سوال نمبر 19 ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سے انسان کو سرپرستی عطا ہوتی ہے۔

الف۔ مہارت ب۔ چالاکی

ج۔ سازشیں د۔ بزرگی

سوال نمبر 20۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کرنے سے انسان کے درجات میں اضافہ ہوتا ہے۔

الف۔ اپنی اصلاح کرنے سے

ب۔ غلطیوں پر ڈٹ جانے سے

ج۔ مسلمان بننے سے

د۔ تمام درست ہیں۔

سوال نمبر 21۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کو مسلمان کہتے ہیں۔

الف۔ ایمان لانے والے کو ب۔ تسلیم کرنے والے کو

ج۔ عمل کرنے والے کو د۔ تلقین کرنے والے کو

سوال نمبر 22۔ حدیث شریف میں ہے مومن، مومن کے لئے ۔۔۔۔۔۔۔۔ ہوتا ہے۔

الف۔ دریچہ ب۔ آئینہ

ج۔ حاکم　　　　د۔ سرپرست

سوال نمبر 23۔ حدیث میں ہے کہ تم میں سے بہترین وہ ہے جو ---------

الف۔ قرآن پڑھتا ہو۔　　　　ب۔ قرآن سکھاتا ہو۔

ج۔ قرآن سیکھتا ہو۔　　　　د۔ ب اور ج درست ہیں۔

سوال نمبر 24 ۔ جو ہمیں ہماری غلطیاں بتاتا ہے وہ ہمارا ---------- ہے۔

الف۔ دوست　　　　ب۔ محسن

ج۔ دشمن　　　　د۔ الف اور ب درست ہیں۔

سوال نمبر 25۔-------۔ کی بیماری سے ہزار بیماریاں جنم لیتی ہیں۔

الف۔ حسد　　　　ب۔ غیبت

ج۔ جھوٹ　　　　د۔ قلب

عورت محور تربیت

اوپن بُک انعامی مقابلہ

امتحان:

امتحان 10تا 25 فروری 2019 تک بذریعہ Mobile Application "**IEC Books**" Google Play Store آپ دے سکتے ہیں۔امتحانی فیس 50 روپے ہے۔ کتاب کی قیمت اس میں شامل نہیں ہے۔
E-Book ہماری ویب سائٹ سے مفت حاصل کر سکتے ہیں۔

انعامات:

پہلی دوسری اور تیسری پوزیشن کے لیئے تمام سوالات کے صحیح جوابات دینے والے افراد میں سے قرعہ اندازی کے ذریعہ انتخاب کیا جائے گا۔

پہلا انعام:	دوسرا انعام:	تیسرا انعام:
ایران زیارت ٹکٹ مبلغ	موبائل مبلغ	استادمحترم کی کتب کاسیٹ مبلغ
(PKR Rs.20,000/-)	**(PKR Rs.10,000/-)**	**(PKR Rs.5,000/-)**

قواعد وضوابط:

۱۔تمام سوالات کے جوابات کتاب سے ہی دیئے جائیں۔
۲۔کتاب کا خود مطالعہ کر کے جواب دینا آپ کا اخلاقی فرض ہے۔
۳۔مقابلہ کے شرکاء کیلیے عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔
۴۔تمام شرکاء انٹرنیٹ کے ذریعہ جوابات ہماری Mobile Application "**IEC Books**" Google Play Store پر دی گئی تفصیلات کے ذریعے جمع کرواسکتے ہیں۔
۵۔انٹرنیٹ کی سہولت موجود نہ ہونے کی صورت میں آپ اس امتحان میں حصہ نہیں لے سکتے۔
۶۔جوابات 25 فروری 2019 تک اوپر دیئے گئے ایپلیکیشن پر جمع کروائیں بعد میں وصول ہونے والے جوابات قرعہ اندازی میں شامل نہیں کیئے جائیں گے۔
۷۔ نتائج کا اعلان 13 رجب المرجب 1440 (یوم ولادت با سعادت امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام) کو کیا جائے گا۔
۸۔مقابلہ میں کامیاب ہونے والے شرکاء کا نتیجہ ہماری ویب سائیٹ
www.pairwan-e-wilayat.com پر13رجب المرجب1440کے بعد دیکھا جا سکتا ہے۔

آپ ہم سے بذریعہ واٹس اپ بھی رابطہ کر سکتے ہیں

WhatsApp +92 302 27 57 977

کتاب ملنے کا پتہ:

محمد علی بُک ڈپو

زہرا گارڈن، شاپ نمبر2، بریٹو روڈ، نزد محفل شاہِ خراسان،
بالمقابل فاطمیہ کالج، سولجر بازار نمبر۳، کراچی

یادداشت

یادداشت

☆ اللہ تعالی نے تربیت کا کام خواتین کے ذمہ کیوں سونپا ہے؟ خواتین کے وجود میں ایسی کیا خصوصیات ہیں کہ تربیت کا یہ کام خداوند متعال نے مرد کی بجائے عورت کو سونپا ہے۔ مردوں کے مقابلے میں خواتین ظریف اور نفیس کام زیادہ بہتر طریقے سے انجام دے سکتی ہیں۔

☆ امام خمینیؒ نے خواتین کے مقام اور کردار کے بارے میں فرمایا ہے کہ خدا نے ان کو ایسا عظیم مقام و منزلت عطا کیا ہے کہ حتیٰ عظیم ترین مرد بھی در حقیقت اسی تربیت گاہ سے اور آغوش سے تربیت پا کر کسی عظیم مقام تک پہنچے ہیں۔

☆ عورت کی مہارت فقط یہ نہیں ہے کہ وہ اچھا کھانا پکا لے، بلکہ اسکی اصل مہارت یہ ہے کہ ایک اچھا بچہ تربیت کرے، ایک اچھا انسان بنانا عورت کا اصل ہنر ہے۔